البدعة ضوابطها وأثرها السئ في الأمة

بدعت

اور امت پر اس کے برے اثرات

فضیلۃ الشیخ علی بن محمد ناصر الفقیہی حفظہ اللہ

ترجمہ

محمد ابو الکلام بن محمد شمس الدین المدنی

اہم نوٹ

کتاب ھذا ایک آن لائن کتاب ہے جو ویب سائٹ اصلی اہل سنت ڈاٹ کام کے لئے شائع کی گئی ہے۔اس کتاب کو خصوصی طور پر انٹرنیٹ پر رکھنے کے لئے مرتب و کمپوز کیا گیا ہے تاکہ اس کی باآسانی نشرواشاعت ہو سکے۔ فی الوقت ہمارے علم کے مطابق اس سے پہلے یہ نیٹ پر جاری کرنے کے لئے خصوصی کمپوزنگ کہیں اور موجود نہیں۔ چونکہ اس کتاب کو مفت آن لائن تقسیم کے لئے جاری کیا جارہا ہے لہذا اس کی ذاتی یا تبلیغی مقاصد کے لئے پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذریعہ سے محض اس کے مندرجات نشر کرنے کی اجازت مرحمت کی جاتی ہے لیکن اسے منافع کمانے کے لئے چھاپنے (پبلش) کرنے کی اجازت نہیں الا یہ کہ اصل پبلیشرز سے پیشگی اجازت طلب کی جائے اور اس کی اجازت دے دی جائے۔

نام کتاب	:	بدعت اور امت پر اسکے برے اثرات
مؤلف	:	فضیلۃ الشیخ علی بن محمد ناصر الفقہی حفظہ اللہ
ترجمہ	:	محمد ابو الکلام بن محمد شمس الدین المدنی
صفحات	:	٧٩
ناشر	:	اصلی اہل سنت ڈاٹ کام

کلمة المترجم

الحمد لله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلی آله وصحبه أجمعین، ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین،

اما بعد!

اس وقت مسلم معاشرہ شرک و بدعات اور اوہام و خرافات کے دلدل میں جس بری طرح پھنسا ہوا ہے، وہ کسی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں۔ اپنے گرد و پیش موجود غیر مسلم افراد کے زیر اثر اوہام و خرافات اور بدعات و منکرات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا ہے جا رہا ہے۔ اور دن بدن نت نئی برائیوں کی جڑیں مضبوط ہو رہی ہیں، جو معاشرے کے لئے سم قاتل سے کم نہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ امت مسلمہ اور خاص کر نوجوان طبقہ کو صحیح اسلامی عقیدہ اور دین کے اصل مرجع کتاب و سنت سے متعارف کرایا جائے، اور بدعات و خرافات کی خطرناکی سے واقف کرایا جائے، اور باطل عقائد و منحرف خیالات کے آگے بند باندھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

زیر نظر رسالہ عالم اسلام کی مایہ ناز علمی درسگاہ ''جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ'' کے ایک سابق ممتاز استاذ فضیلة الدکتور علی بن محمد ناصر الفقیهی حفظہ اللہ کی کتاب ''البدعة ضوابطها وأثرها السیٔ فی الأمة ''کا اردو ترجمہ ہے۔ فاضل مؤلف نے رسالہ میں بدعت اور امت پر اس کے مضر اثرات کو بڑے مدلل طریقہ سے بیان کیا ہے۔ کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو عوام و خواص کے لئے نفع بخش بنائے اور مؤلف و مترجم و مراجع اور اس کی طباعت میں حصہ لینے والے ہر فرد کی کوشش قبول فرمائے۔آمین۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

محمد ابوالکلام مدنی

مکتب توعیۃ الجالیات بکیرہ

قصیم/سعودی عرب

مقدمہ

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ،ونعوذبالله من شرور انفسنا ، ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً أعبده ورسوله۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾

(آل عمران: ۱۰۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: ۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ☆ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

اما بعد! دینِ اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اور اس کی ایک انتہائی اہم خوبی یہ ہے کہ وہ کامل اور اکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین عطا فرمایا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف التفات کی کوئی ضرورت نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا﴾

(المائدة: ۳)

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا)

دینِ اسلام کے کامل ہونے کی ایک بہت بڑی علامت یہ ہے کہ نبوت کے سلسلے کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''ما بقی شئ یقرب من الجنۃ ویباعد من النار الا وقد بین لکم''

(اخرجہ الطبرانی فی الکبیر(۱۶۴۷) سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ(۱۸۵۳))

(کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی ہو جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے مگر وہ تمہارے لئے کھول کر بیان کر دی گئی ہے)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں:

''لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما یحرك طائر جناحیہ فی السماء الا ذکرنا منہ علما''

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے دونوں پر آسمان میں نہیں مارتا مگر اس کے بارے میں ہمیں آپ کا بتایا ہوا علم یاد آتا ہے) (مسند ابی یعلی: ۹/۴۶)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو وہ تمام چیزیں بتا کر دنیا سے روانہ ہوئے جو کہ ان کی نجات اور فلاح کے لئے ناگزیر ہیں۔ بلکہ آپ نے تو یہاں تک فرمایا کہ:

(مجھ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ان میں سے ہر ایک پر فرض تھا، اپنی امت کے لئے جو خیر کی بات اس کو معلوم ہے وہ اس کو بتا دے) (اخرجہ مسلم: ۴۷۷۶)

اب اگر کوئی آدمی ان تمام تر تصریحات کے باوجود کوئی کام تقرب الی اللہ کی نیت سے کرتا ہے اور اس کا ثبوت قرآن و حدیث و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نہیں تو اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ کام اچھا اور نیک ہوتا تو کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ نیکی کے حریص تھے، کس طرح ایسے کام کو ترک کر سکتے ہیں۔ وہ صحابہ جو نیکی کے حصول کے لئے آپس میں مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے کس طرح ایسے اعمال کو چھوڑ سکتے ہیں جو کہ واقعتاً تقرب الٰہی کا

ذریعہ ہوں۔ اس وضاحت سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ ایسے تمام کام جو قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں وہ بدعت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''کل بدعة ضلالة'' (رواہ مسلم: ۲۰۰۵)

(ہر بدعت گمراہی ہے)

جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''کل بدعة ضلالة وان رأها الناس حسنة''

(شرح اصول اعتقاد اھل سنت والجماعة للالکائی: ۱/۹۲)

(ہر بدعت گمراہی ہے چاہے لوگ اسے اچھا سمجھیں)

مندرجہ بالا مرفوع اور موقوف روایت سے اہلِ بدعت کا رد بھی ہوا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کوئی بدعت اچھی بھی ہوتی ہے۔اس خود ساختہ اصول کے تحت اہلِ بدعت نے دراصل دینِ اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ بے شمار بدعات ''بدعاتِ حسنہ'' کے نام سے دین میں داخل کر دی گئی ہیں۔

صورتحال یہ بن چکی ہے کہ لوگ سنت کو بدعت سمجھنے لگے ہیں،اور بدعت کو سنت ۔فانالله وانا الیه راجعون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

''بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ غریباً'' (مسلم: ۳۷۲)

(اسلام کا آغاز اجنبیت سے ہوا اور اسلام ایک مرتبہ پھر اجنبی بن جائے گا جس طرح کے وہ آغاز میں اجنبی تھا)

اگر آپ سنت پر عمل کریں تو آپ پر چاروں طرف سے طعن و تشنیع کے تیر

برسائے جائیں گے اور اگر آپ بدعات پر عمل کریں تو لوگ آپ کو عاشقِ رسول ﷺ کے نام سے یاد کریں گے۔

آج کتنی بدعات ہیں جو برصغیر پاک و ہند میں ہندو تہذیب کے اثرات کی وجہ سے مسلمانوں میں سرایت کر چکی ہیں۔ شادی بیاہ کی رسومات، میت ہو جانے پر تیجہ، دسواں، چالیسواں، مختلف مہینوں کو منحوس سمجھنا یہ ساری چیزیں مشرکانہ تہذیب کی علامت ہیں۔

سلف صالحین تو بدعت اور صاحبِ بدعت سے کتنی نفرت کرتے تھے اس کے واقعات احادیث اور سیرت کی کتب میں محفوظ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو گمراہ قرار دیا تھا جو کہ حلقہ کی صورت میں کنکریوں پر ،سبحان اللہ، الحمد للہ، اور لا الہ الا اللہ پڑھ رہے تھے۔ (سنن دارمی: ۱/۷۹)

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تو ایک بدعتی کو سلام کے جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔
(رواہ الترمذی، وابوداؤد، ابن ماجۃ۔ مشکاۃ المصابیح للألبانی: ۱/۴۱)

مشہور تابعی حسن بصری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''لا تجالس صاحب بدعة فانه يمرض قلبك'' (الاعتصام للشاطبی: ۱/۸۳)

(بدعتی کے ساتھ صحبت اختیار نہ کرنا کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا)

جلیل القدر تابعی ایوب سختیانی (المتوفی: ۱۳۱ھ) فرماتے تھے:

''ما ازداد صاحب بدعة اجتهادا الا ازداد من الله بعدا''

(الاعتصام للشاطبی: ۱/۸۳)

(بدعتی بدعت میں جتنی زیادہ محنت کرتا ہے اتنا ہی وہ اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے)

ایک اور تابعی امام یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۲۹ھ) فرماتے تھے:

''اذا لقيت صاحب بدعة في طريق فخذ في طريق آخر'' (الاعتصام للشاطبی: ۱/۸۴)

(جب تمہارا کسی بدعتی سے راستے میں آمنا سامنا ہو جائے تو تم اس راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرو)

بدعتی دوسرے گناہگاروں سے ایک معاملہ میں منفرد ہے کہ دوسرے گناہگار جب گناہ کرتے ہیں تو اسے گناہ ہی سمجھتے ہیں ۔ قاتل قتل کرتے ہوئے، زانی زنا کرتے ہوئے، اور چور چوری کرتے ہوئے ان اعمال کو معصیت سمجھتا ہے اور انسان جس عمل کو گناہ سمجھے تو اسے توبہ کی توفیق ہو سکتی ہے۔ لیکن بدعتی بدعت کرتا ہے ثواب سمجھ کر اور جو آدمی گناہ کو ثواب سمجھے اسے توبہ کی توفیق کس طرح ملے گی؟ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (المتوفی: ١٦١ھ) کے قول کا بھی یہی مقصد ہے، وہ فرماتے ہیں:

﴿البدعة احب الی ابلیس من المعصیة والمعصیة یتاب منها والبدعة لا یتاب منها﴾ (شرح اصول اعتقاد اهل سنت للالکائی: ١/١٣٢، شرح السنة للبغوی: ١/٢١٦)

(ابلیس کو دوسرے گناہوں کے مقابلے میں بدعت محبوب ہے کیوں کہ گناہوں سے توبہ کر لی جاتی ہے لیکن بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی)

بدعت کی ایک نحوست یہ بھی ہے کہ اس کو اپنانے سے آدمی سنت کا تارک اور سنت کی بے قدری کرنے والا بن جاتا ہے۔

مشہور تابعی حسان بن عطیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ١٣٥ھ) فرماتے ہیں:

''ما ابتداع قوم بدعة فی دینهم الا انزاع الله من سنتهم مثلها''

(اخرجه الدارمی: ١/٥٨، واللالکائی: ١/٩٣)

(جب بھی کوئی قوم دین میں بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے اس کے مثل سنت اٹھا لیتا ہے)

اہلِ بدعت اپنی بدعات کے جواز کے سلسلے میں ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ

''بھائی کام تو اچھا ہے کیا ہوا اگر قرآن و سنت میں اس کا ذکر نہیں''۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ کام اچھا ہو ہی نہیں سکتا جس کا ثبوت قرآن و سنت سے نہیں ملتا۔ کسی عمل کے مقبول ہونے کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

۱۔ وہ عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کیا جائے۔

۲۔ وہ عمل سنت سے ثابت ہو۔

۳۔ اور وہ عمل صحیح عقیدہ کے تحت کیا جائے۔

اہلِ بدعت اگر پہلی شرط کو پورا بھی کرے تب بھی ان کا عمل مقبول نہیں کیوں کہ وہ سنت کے خلاف اور عقیدۂ فاسد کے تحت کیا گیا ہے۔

بدعت کے موضوع پر مدینہ یونیورسٹی کے سابق استاذ الدکتور علی بن محمد ناصر الفقہی حفظہ اللہ کی کتاب ''البدعة ضوابطها واثرها السيئ فى الامة'' ایک جامع تصنیف ہے۔ جس میں انہوں نے بدعت کے تمام گوشوں کو انتہائی مدلل انداز سے واضح کیا ہے۔

ہمارے محترم دوست عبدالرحمن میمن صاحب حفظہ اللہ، مدیر مکتبة الدعوة السلفية خوش قسمت ہیں کہ ایک انتہائی اہم موضوع پر یہ تصنیف منظرِ عام پر لا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو مصنف، مترجم، ناشر اور قارئین کے لئے علم و عمل میں اضافہ کا سبب اور صدقۂ جاریہ بنائے۔

آمين وما ذلك على الله بعزيز انه سميع مجيب

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

العبد: ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں بدین

۸۔ اپریل ۲۰۰۲

مطابق ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

مقدمہ از مؤلف

إن الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ،ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له من يضلل فلا هادی له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ (آل عمران:۱۰۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء:۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ☆ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب:۷۰۔۷۱)

اما بعد: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو باہم مل جل کر اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے اور اختلاف و فرقہ بندی سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [1]

(اور سب مل کر اللہ کی رسی کو (یعنی اس کے دین یا عہد یا جماعت یا قرآن کو) تھامے رہو

---

[1] آل عمران:۱۰۳

اور پھوٹ نہ کرو (جیسے کتاب والے الگ الگ فرقے ہو گئے) اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو (اے اوس اور خزرج کے لوگو) جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ رات دن تم دونوں میں لڑائی رہتی پھر اللہ نے تمہارے دل ملا دیئے تو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے (دوزخ) کے کنارے آ لگے تھے۔ (اب اس میں گرنے والے تھے) اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا، اللہ اسی طرح تم سے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے، تاکہ تم سچی راہ پر قائم رہو)

اور اس اتحاد و اتفاق اور اللہ سے تعلق برقرار رکھنے نیز فرقہ بندی و اختلاف سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کے اتباع کا حکم دیا ہے جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿الٓمٓصٓ ۞ كِتَابٌ أُنزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُن فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۞ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾[1]

(الٓمٓصٓ، یہ کتاب آپ پر اتاری گئی ہے۔ اس لئے کہ آپ اس سے (کافروں کو) ڈرائیں اور ایمان والوں کو نصیحت کریں اس لئے اس کے پہنچا دینے میں آپ کا دل تنگ نہ ہو، (لوگو) تمہارے مالک کی طرف سے جو کچھ تم پر اتارا گیا ہے (یعنی قرآن و حدیث) اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسرے کی پیروی مت کرو تم بہت کم نصیحت لیتے ہو)

نیز شریعت کے مخالف امور میں باپ، دادا اور علماء و مشائخ اور اہل بدعت کی اتباع سے منع فرمایا ہے:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللّهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ

---

1) الاعراف: ۱-۳

كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَيَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَيَهْتَدُونَ﴾(۱)

(اور جب ان سے (مشرکوں یا یہود سے) کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو (حکم) اتارا ہے، اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس طریقے پر چلیں گے، جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو چلتے ہوئے پایا، بھلے ان کے بزرگ (باپ دادا) بے عقل اور گمراہ ہوں۔)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ﴾(۲)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو (قرآن) اتارا اس پر چلو تو کہتے ہیں ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ بھلا اگر شیطان ان کے باپ دادوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس چیز کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہے اور اپنے باپ دادوں سے پائی ہوئی چیزوں اور خواہشاتِ نفس اور شیطان کی اتباع سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں وارد ہوا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے منقول بہت ساری صحیح صریح حدیثوں میں امت کو کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑنے پر ابھارا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کی کامیابی و نجات کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ترکت فیکم ما إن تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وسنتی''(۳)

(میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم اس سے چمٹے رہو گے

---

1)سورۃ البقرہ:۱۷۰

2)لقمان:۲۱

3)المؤطا، القدر ص:۵۶۰

گمراہ نہیں ہوگے، وہ ہے اللہ کی کتاب اور میری سنت)

اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب اور اپنی سنتوں سے تمسک کرنے والوں کو ہدایت و نجات اور دنیا میں ہلاکت کی طرف لے جانے والی گمراہی اور آخرت کی بدبختی سے بچے رہنے کی ضمانت دی ہے۔ نیز اللہ کے دین میں بدعت پھیلانے سے روکا ہے۔ اور اس سے ڈرایا ہے۔ اور اپنی امت کے لئے یہ بات واضح کردی ہے کہ اللہ کے دین میں ہر بدعت گمراہی ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد اور ترمذی میں سیدنا عرباض بن ساریہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے، صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد ایک بلیغ خطبہ دیا۔ جس سے ہماری آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل لرز اٹھے، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آج کا یہ خطبہ ہمیں الوداعی خطبہ کا احساس دلاتا ہے اس لئے ہمیں نصیحت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"أوصيكم بتقوى الله، والسمع والطاعة، وان تأمر عليكم عبد فإنه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة" (1)

(میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور امیر کی سمع وطاعت کی وصیت کرتا ہوں خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو، اور میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت سارا اختلاف دیکھے گا۔ ایسے موقع پر تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کا طریقۂ عمل اختیار کرو، اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو اور دین کے اندر نئی ایجاد کردہ بدعات سے بچو، کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے)

---

1) ابو داؤد فی السنة/ باب فی لزوم السنة ح۴۴۴۳۔ الترمذی فی العلم/ باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة ۷/۴۳۸ رقم الحدیث ۲۸۱۵

یہ حدیث امت کی سلامتی و حفاظت کے ایک عظیم پہلو و گوشہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے اور امت کو فتنہ کی طرف لے جانے والی فرقہ بندی سے سلامتی کی راہ دکھاتی ہے۔ بایں طور کہ ان کو جماعت سے چمٹے رہنے اور سنت سے تمسک کی ترغیب دیتی ہے۔اور تمام نئ ایجاد کی ہوئی باتوں سے روکتی ہے، جو امت کو اختلاف و تفرقہ میں ڈالنے والی ہیں۔ خواہ ان کا تعلق اقوال وافعال سے ہو یا اعتقاد سے یا طریقہ کار سے۔اور رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو اس وقت تک خیر باد نہیں کہا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین و شریعت کی جو باتیں آپ کی طرف وحی کی تھیں، انہیں اپنی امت تک پہنچا نہیں دیں اور آپ ﷺ نے اپنی امت کے لئے وہ تمام باتیں واضح کر دیں جن میں ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی و بہتری تھی۔"اور امت کو ایک ایسی شاہراہ پر چھوڑا جس کی رات بھی اس کے دن کی مانند روشن ہے۔اس کے بعد اس راستہ سے وہی منحرف ہوگا جو اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہوگا۔"[1]

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے دین کو مکمل کر دیا اور ان پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمام انسانیت کے لئے دینِ اسلام کو پسند فرمالیا۔

چنانچہ اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[2]

(آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا)

نیز ارشاد فرمایا:

---

1)ابن ماجه، المقدمة باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين(۴۳)

2)سورة المائدة:۳

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾[1]

(جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گا)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ دین مکمل ہو گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے بے کم و کاست امت تک پہنچا دیا ہے۔ جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسروق سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ:

(جس شخص نے یہ گمان کیا کہ محمد ﷺ نے ان چیزوں سے کوئی چیز جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائی تھی، چھپائی تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا)[2]

جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾[3]

(اے رسول ﷺ جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی)

پس دین مکمل ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے لوگوں تک پہنچا دیا، جیسا کہ اس سلسلے میں ابھی حدیث گزری ہے اور جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ ﷺ لوگوں کو اسلام کے احکام و شرائع پہنچا رہے تھے اور ان کے سامنے حلال و حرام کی تشریح فرما رہے تھے اور ہر اس چیز کو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے، بیان فرما

---

1)سورۃ آل عمران:۸۵

2)البخاری، التوحید، فتح الباری ۱۳/۵۰۳ رقم الحدیث (۷۵۳۱) ومسلم: الایمان :۱۵۹/۱ رقم الحدیث (۲۸۷)

3)سورۃ المائدہ:۶۷

رہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے : کیا میں نے پہنچا دیا تو سب نے کہا: ”بے شک آپ ﷺ نے ساری امانت ہم تک پہنچادی۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف آٹھایااور صحابہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ۔“

اب اس واضح اور روشن دلیل و حجت کے بعد اگر کوئی شخص ہمارے پاس آئے اور ہمارے لئے دین میں کوئی ایسی نئی چیز ایجاد کرے جو نہ اللہ کی کتاب میں موجود ہو اور نہ سنتِ رسول ﷺ میں، اور نہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقہ میں، چاہے یہ نئی ایجاد کردہ چیز اعتقاد سے متعلق ہو یا عمل یا قول یا منہج سے متعلق، تو گویا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ دین ناقص ہے، مکمل نہیں ہوا۔ اور یہ کہنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے باطل و مردود ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا)

یا یہ بات کہتا ہے کہ دین کامل تو ہے لیکن کچھ چیزیں باقی رہ گئی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پہنچائی ہیں اور ایسا کہنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث اور خطبہ حجۃ الوداع کی رُو سے مردود ہے۔[1]

گویا کہ بدعتی کہتا ہے کہ شریعت ابھی مکمل نہیں ہوئی اور بعض چیزیں باقی ہیں جن کا استدراک واجب یا مستحب ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ ہر جانب سے شریعت کے مکمل ہونے

---

1) حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کا پوری امت تک دین کو مکمل طور پر پہنچادینے اور یہ کہنے کہ (جو لوگ) حاضر ہیں وہ غائب تک اس پیغام کو پہنچادیں کیوں کہ بسا اوقات پہنچایا جانے والا، سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے کی طرف اشارہ ہے۔

کا اعتقاد رکھتا تو بدعت ایجاد نہ کرتا اور نہ ہی اس کا استدراک کرتا۔ اور ایسا کہنے والا یا عقیدہ رکھنے والا راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔

ابن ماجشون کا قول ہے کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ: جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی اور اس کو اچھا سمجھا تو اس نے یہ گمان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچانے میں خیانت کی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا)

لہٰذا جو کام عہد رسالت میں دین میں شامل نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا۔[1]

اور امام شاطبیؒ اپنی کتاب ''الاعتصام'' ۱/۴۹ میں فرماتے ہیں:

(۱) بے شک مبتدعتی شریعت کا دشمن اور اس کا مخالف ہے، اس لئے کہ شارع نے بندے کے مصالح کو خاص انداز سے خاص طریقے پر متعین کر دیا ہے اور مخلوق کو اس شریعت کا امر و نہی اور وعدہ و وعید کے ذریعہ پابند بنا دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ ساری بھلائی اسی میں ہے اور ساری برائی اس سے تجاوز کرنے میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے۔ اور بے شک اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ مبتدع ان تمام چیزوں کو رد کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہاں کچھ ایسے دوسرے طریقے ہیں جن کو شارع نے کسی ضابطہ کے تحت محصور نہیں کیا ہے اور نہ اس کے راستوں کی تعیین کی ہے، گویا جس طرح شارع جانتا ہے اسی طرح ہم بھی

---

1)الاعتصام، للشاطبی ۱/۴۹

جانتے ہیں، بلکہ بعض اوقات وہ اپنے اس استدراک سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس نے بعض ایسی چیزوں کو جان لیا ہے جو شارع کے علم میں نہیں تھیں، علامہ موصوف نے مزید فرمایا:

(اب اگر مبتدع کی یہ حرکت بالقصد ہے تو یہ کفر ہے اور اگر بالقصد نہیں ہے تو یہ گمراہی ہے)

(۲) پھر مبتدع نے اپنے اس عمل سے اپنے آپ کو شارع سے مشابہ اور اس کے ہم مرتبہ کر لیا، اس لئے کہ شارع نے شریعت بنائی اور مخلوق پر اس کے مطابق چلنا لازم قرار دے دیا اور یہ تنہا اسی کا حق و اختیار ہے۔ کیوں کہ وہی مخلوق کے درمیان اختلافی چیزوں میں فیصلہ کرنے والا ہے اور شریعت وعقل سے وضع کرنے کی چیز نہیں ہے کہ ہر انسان اپنی طرف سے شریعت وضع کر دے اور اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو پھر انبیاء علیہم السلام کو انسانوں کی طرف مبعوث کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تو گویا کہ اس مبتدع نے اپنے آپ کو شارع کے ہم پلہ قرار دے دیا، اس طرح کہ اس نے اسی کے مثل شریعت وضع کی اور اختلاف و تفرقہ کا دروازہ کھول دیا۔

(۳) نیز مبتدع کا یہ عمل ہویٰ اور خواہشات نفس کی اتباع پر مبنی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ﴾[1]

(اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو، بغیر اللہ کی رہنمائی کے)

گویا کہ جو شخص اپنی خواہشاتِ نفس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی اتباع نہ کرے، وہ سب سے بڑا گمراہ ہے، یہ بدعتی جس نے اللہ کے دین میں بدعت ایجاد کی اور خود کو شارع کے ہم پلہ قرار دیا اس کی مذمت کتاب اللہ میں بھی وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ جو شخص راہِ راست سے اِدھر اُدھر بھٹکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کے حال کے مطابق چھوڑ دیتا

---

1)سورۃ القصص: ۵۰

ہے، کیوں کہ بدلہ عمل کے مطابق ہی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ﴾ [1]

(پھر جب وہ لوگ (موسیٰ علیہ السلام کی قوم والے) ٹیڑھی چال چلے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا)

اور بدعتی اس لئے گمراہ ہے کہ وہ قرآن کے متشابہ کی اتباع کرتا ہے اور اس کے محکم کو ترک کرتا ہے اور اس کی تحریف وتاویل کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِی قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ [2]

(وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں، پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے)

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بسند صحیح مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا: ﴿هُوَالَّذِی اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ آخر تک جو آیت ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو پیروی کرتے ہیں متشابہات کی تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے تذکرہ کیا ہے، پس ان سے بچو)

اور دوسری روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

1)سورۃ الصف:۵

2)سورۃ آل عمران:۷

(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے لہٰذا ان سے بچو)[1]

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾[2]

(بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں)

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "اہلِ مِلِلَ و نحل اور اہلِ بدعت و ضلالت کی طرح فرقہ فرقہ ہوگئے تو بے شک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس اختلاف سے بری کر دیا ہے۔"[3]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[4]

(اور یہ کہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا۔ سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے، تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو)

تو صراطِ مستقیم، اللہ کا وہ راستہ ہے جس کی طرف اس نے دعوت دی ہے اور یہی وہ سنت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے جاری و عام کیا ہے اور وہ اسلام اور قرآن ہے اور

---

1)صحیح بخاری کتاب التفسیر باب منہ آیات محکمات، مسلم فی العلم۔باب النھی عن اتباع متشابہ القرآن۔۔۔۔۔الخ

2)سورۃ الانعام:۱۵۹

3)تفسیر ابن کثیر ۱۰۹: ۲ مطبوعہ دار السلام

4)الانعام:۱۵۳

دوسرے راستے تو وہ اہلِ اختلاف اور خواہشاتِ نفس کی اتباع کرنے والے اور دین میں بدعت پھیلانے والے لوگوں کے راستے ہیں۔ جو صراط مستقیم سے ہٹانے والے ہیں۔

اور ان لوگوں سے مراد عام اہلِ معاصی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اہلِ معصیت شریعت کے مقابل کوئی ایسا طریقہ ایجاد نہیں کرتے جس پر وہ ہمیشہ چلتے ہوں۔ جیسا کہ اہل بدعت کرتے ہیں ۔آیت مذکورہ میں ''سبل'' سے مراد اہل بدعت ہیں، اس کی دلیل سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ وہ راستے ہے ، پھر اس کے دائیں اور بائیں طرف کئی لکیریں کھینچی اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور اس کی طرف بلا رہا ہے، پھر یہ آیت پڑھی :

﴿ وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ﴾ [1]

(یہ میری سیدھی راہ ہے اس پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو)

بکر بن علاء نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیطان الانس مراد لیا ہے اور وہ اہلِ بدعت ہیں۔''[2]

اور مجاہد نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ﴾ سے مراد بدعت و شبہات ہیں۔

اور جس طرح مبتدع کی مذمت اور ان کے دل کی کجی کا بیان قرآن کریم میں آیا ہے ۔اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت ساری احادیث میں بھی اس کی مذمت وارد ہوئی ہے اور ان کی گمراہی و ضلالت اور ان کے اعمال کے مردود ہونے کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ

---

1)احمد: ۱/۴۶۵

2)اس کو احمد، نسائی، ابنِ منذر اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ﷺ نے فرمایا:

''من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''

(جس نے ہمارے اس معاملہ (دین) میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے:

''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد'' ای مردود علیه''[۱]

(جس نے وہ کام کیا جو ہمارے طریقہ پر نہیں تو وہ مردود ہے یعنی وہ عمل کرنے والے کے منہ پر مار دیا جائے گا)

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من دعا إلى هدًى كان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ينقص ذالك من اجورهم شيئا، ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل اثام من تبعه لا ينقص ذلك من آثامهم شيئا''[۲]

(جس شخص نے کسی نیکی کی طرف بلایا تو اس کو اس کی اتباع کرنے والے کے برابر اجر ملے گا بغیر اس کے کہ ان کی نیکیوں میں کوئی کمی کی جائے اور جس شخص نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اس کے لئے اس کی اتباع کرنے والے کے گناہوں کے برابر گناہ ہے۔بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے)

نیز اس سلسلہ میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے جو آگے آرہی ہے۔

---

1)البخاری، البیوع، فتح الباری ۴/۳۵۵۔مسلم الاقضیة ۳/۱۳۴۳(۱۸،۱۷)

2)مسلم، العلم ۴/۲۰۶۰(۱۶)۔البخاری، الاعتصام، فتح الباری ۱۳/۳۰۲

مذکورہ بالا سطور میں ہمیں بدعت کی ممانعت اور اس سے پرہیز کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی۔ آیئے اب معلوم کریں کہ بدعت کسے کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟ اور یہ کن چیزوں میں واقع ہوتی ہے؟

بدعت کی تعریف

لغت میں بدعت ہر اس نئی چیز کو کہتے ہیں جو کسی سابقہ مثال کے بغیر بنائی گئی ہو۔ چنانچہ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

یعنی (آسمان وزمین کو سابقہ مثال کے بغیر پیدا فرمانے والا۔)

اور کہا جاتا ہے (ابتدع فلان بدعة) فلاں نے بدعت ایجاد کی، یعنی کوئی ایسا طریقہ ایجاد کیا جس کو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا اور کہا جاتا ہے: (هذا امر بديع) ''یہ امر بدیع ہے۔'' یہ اس عمدہ چیز کے بارے میں کہا جاتا ہے جس کی اچھائی میں کوئی مثال نہیں ہو اور اس معنی کے اعتبار سے بدعت کو بدعت کہا جاتا ہے۔

تو بدعت پر چلنے کے لئے اس کو ایجاد کرنے کا نام ابتداع ہے اور اس کی ہئیت کا نام بدعت ہے اور کبھی اس طریقہ پر انجام دیئے گئے عمل کو بھی بدعت کہا جاتا ہے تو اس معنی کے اعتبار سے اس عمل کو جس پر کوئی شرعی دلیل نہ ہو بدعت کہا جاتا ہے۔

بدعت کی اصطلاحی تعریف

دین کے اندر گھڑ لیا گیا وہ طریقہ جو شریعت کی شکل میں ہو اور اس سے (مقصود)

اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں مبالغہ ہو ''بدعت'' کہلاتا ہے۔ اور یہ تعریف دین کے نام پر ایجاد کی ہوئی ہر اس چیز کو شامل ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل اور دلیل نہ ہو۔ لیکن شریعت میں جس چیز کی اصل اور دلیل موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں ہوگی۔ اگرچہ اس کو لغۃً بدعت کا نام دے دیا جائے۔

اور بعض سلف کے کلام میں بعض چیزوں کے متعلق جو یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ (نعمت البدعة هذه) ''یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے'' اس سے یہی ''بدعت لغوی'' مراد ہے، نہ کہ بدعت شرعی، جیسا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو قیام رمضان کے لئے مسجد میں ایک امام پر جمع کر دیا اس کے بعد آپ ایک مرتبہ ادھر سے گزرے اس حال میں کہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا (نعمت البدعة هذه) ''یہ کیا ہی خوب بدعت ہے''۔ اس لئے کہ رمضان میں تراویح کی نماز باجماعت ادا کرنے کی اصل موجود ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان میں دو یا تین راتیں لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی ہے [1] اور اس خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت موقوف کر دی تھی کہ کہیں میری امت پر صلوۃ اللیل باجماعت فرض نہ کر دی جائے اور پھر لوگ اس کی ادائیگی سے عاجز رہ جائیں۔

اسی طرح کسی شخص کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفائے راشدین کے عمل سے بدعت ایجاد کرنے اور اس کے حسنہ ہونے پر استدلال کرے، مثلاً رمضان میں باجماعت نماز تراویح اور اس مصحف کا جمع کرنا جو رسول

---

1) اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ سے اشارہ بھی کر دیا ''لکان امثل'' تو یہ اس کی مثل ہوگا یعنی تراویح جو آپ نے دو یا تین رات پڑھائی۔ (بخاری فی صلوۃ التراویح)

اللہ ﷺ کے زمانہ میں لکھا ہوا تھا مگر متفرق تھا اور کسی ایک مصحف میں جمع نہیں تھا اور یہ ابو بکر ﷺ کے زمانہ میں اس وقت جمع کیا گیا جب مسیلمہ کذاب کے ساتھ یمامہ کی جنگ میں بہت سے قراء (حفاظِ قرآن) شہید ہو گئے تھے۔

اسی طرح ان صحیفوں کا جمع کرنا جو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہی اکٹھا ہو چکے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسی طرح باقی رہے تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب کو ایک مصحف میں جمع کرا دیا تھا (یعنی عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کے لہجہ میں مصحف کی چھ کاپی کروا کر ان کو مختلف علاقوں میں بھجوا دیا تھا) کیوں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کا عمل اس نصِ حدیث کی روشنی میں سنت ہے۔ جسے امام ابو داؤد و ترمذی نے سیدنا عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے اور جس میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ہے:

''فإنه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى''(۱)

(جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا پس تم میری اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر سختی سے کاربند رہو)

تو یہ بات بالکل صریح و واضح ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال سنت ہیں بدعت نہیں ہیں۔

بدعت کی قسمیں

بدعت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ بدعتِ حقیقی۔ ۲۔ بدعتِ اضافی

---

1) ابو داؤد فی السنة، باب فی لزوم السنة، رقم الحديث ۴۴۴۳

۱)بدعتِ حقیقی:

بدعتِ حقیقی اسے کہتے ہیں جس پر کوئی دلیلِ شرعی موجود نہ ہو، نہ کتاب و سنت سے اور نہ ہی اجماع سے۔ مثلاً محض کسی شبہ کی بنیاد پر بغیر عذر شرعی یا بغیر صحیح ارادہ کے حلال کو حرام جاننا اور حرام کو حلال قرار دینا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں غزوہ (لڑائی) کرتے تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہیں ہوتی تھیں تو ہم نے کہا، کیا ہم خود کو خصّی نہ کروالیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ اس کے بعد ہمیں اجازت دی کہ ہم عورتوں سے کپڑے وغیرہ کے عوض شادی کریں پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا﴾ (۱)

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو)

امام بخاری نے سیدنا قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ قبیلہ احمس کی ایک عورت کے پاس تشریف لے گئے جس کا نام زینب تھا، اسے دیکھا کہ بات نہیں کرتی۔ تو آپ نے فرمایا کہ: اسے کیا ہوا ہے کہ بات نہیں کرتی؟ لوگوں نے کہا: اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا بات کرو، ایسا کرنا جائز نہیں ہے، یہ جاہلیت کا عمل ہے۔ تو اس عورت نے بات کی اور آپ سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''مہاجرین میں سے ایک آدمی ہوں۔''(۲)

---

1)البخاری، التفسیرفتح الباری ۸/۲۸۶ رقم الحدیث ۴۶۱۵

2)البخاری، مناقب الانصار، فتح الباری ۷/۱۴۷ رقم الحدیث ۳۸۳۴

اس کی مثالوں میں سے یہ بھی ہے کہ : کوئی ایسی عبادت ایجاد کرنا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہ فرمائی ہو۔ مثلاً ظہر کی نماز ہر رکعت میں دو رکوع کے ساتھ ادا کرنا یا بغیر طہارت کے نماز ادا کرنا، یا سنت کے حجت شرعی ہونے کا انکار کرنا یا نقل پر عقل کو مقدم کرنا اور اس کو اصل قرار دیتے ہوئے شرع کو اس کا تابع سمجھنا۔

مثلاً: ریاضت و مجاہدہ کے ایک خاص مرحلہ تک پہنچ جانے کے بعد عقل اور تکلیف کے شرائط موجود ہونے کے باوجود ایسے انسان سے شرعی واجبات کے ساقط اور معاف ہونے کا عقیدہ رکھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ جو شخص اس مرتبہ تک پہنچ جائے اس پر نہ کوئی شئ واجب ہے اور نہ حرام ہے۔ بلکہ اسے اپنی خواہشات کی تکمیل کی کھلی اجازت حاصل ہے، جیسا کہ بعض صوفیاء کا ظنِ فاسد ہے۔

یہ بدعتِ حقیقی کی چند مثالیں ہیں، جنہیں اہلِ بدعت نے اپنی طرف سے گھڑ رکھا ہے۔

۲)بدعتِ اضافی:

جہاں تک بدعتِ اضافی کا تعلق ہے تو اس کے دو جانب (پہلو) ہیں:

ایک جانب تو مشروع ہے، لیکن بدعتی اس مشروع جانب میں اپنی طرف سے کوئی چیز داخل کر دیتا ہے اور اپنے اس عمل کے ذریعہ اس کو اس کی اصل مشروعیت سے نکال دیتا ہے اور لوگوں میں رائج اکثر بدعتیں اسی قبیل سے ہیں۔

مثال کے طور پر نماز، روزہ، ذکر، طہارت اور طبیعت پر گراں ہونے کے باوجود وضو میں کمال وغیرہ۔ یہ تمام مشروع عبادات ہیں جن کا شارع نے حکم دیا ہے اور جن کی ترغیب دی ہے۔ اب اگر کوئی شخص آئے اور کہے: ''میں کھڑا ہو کر روزہ رکھوں گا اور نہیں بیٹھوں گا اور دھوپ میں رہوں گا سایہ حاصل نہیں کروں گا۔'' یا یہ کہ: ''میں ہمیشہ روزہ رکھو گا اور کبھی

افطار نہیں کروں گا۔'' یا ذکر کے سلسلے میں کہے کہ :''ہم ذکر میں مخصوص ہیئت و کیفیت کا التزام کریں گے ،اور اجتماعی طور پر ایک آواز کے ساتھ اللہ کا ذکر کریں گے یا خاص وقتوں میں خاص عبادتوں کا التزام کریں گے ،جب کہ شریعت میں اس کی کوئی تخصیص و تعیین موجود نہیں ہے۔ مثلاً پندرہویں شعبان میں روزہ رکھنا اور اس رات قیام کا التزام کرنا اور طہارت میں مثال کے طور سخت سردی کے زمانہ میں کسی کے پاس ٹھنڈا پانی اور گرم پانی بھی ہو، پھر وہ گرم پانی کو استعمال نہ کرے اور دشوار راستہ اختیار کرتے ہوئے سخت ٹھنڈے پانی کو استعمال کرے تو یہ نفس پر تشدد ہے، کیوں کہ اس نے نفس کو اس کا حق نہیں دیا اور ان کے لئے اس حدیث میں کوئی حجت نہیں جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ طبیعت پر گراں ہونے کے باوجود مکمل وضو کرنے پر درجات بلند کئے جاتے ہیں، اس لئے کہ فضیلت اس شخص کے لئے ہے جس کے پاس پانی گرم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے نفس سے مجاہدہ کرتے ہوئے ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے۔

تو یہ تمام عبادات: روزہ، ذکر، نماز، طہارت وغیرہ سب کی سب مشروع عبادات ہیں، جن کو کرنے کا شارع نے حکم دیا ہے اور ان کی طرف رغبت دلائی ہے، نیز ان پر ابھارا ہے اور ان کا بہت زیادہ ثواب بیان کیا ہے، لیکن ان تمام عبادات کے ساتھ جو مذکورہ بالا کیفیات داخل کر دی گئی ہیں، یہ سب بلا دلیل ہیں اور شریعت میں ان کی کوئی اصل موجود نہیں ہے اور دین میں بدعت ،چاہے اس کی صفت کیسی ہی ہو، یہ شرع پر استدراک اور اضافہ کرنا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (۱)

(آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور تمہارے لئے

---

1)سورۃ المائدہ:۳

اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”انہوں نے کچھ لوگوں کو ذکر کے حلقہ میں جمع دیکھا تو ان سے کہا یا تم لوگوں نے ناحق بدعت کا ارتکاب کیا ہے یا تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب پر علم میں فضیلت لے گئے ہو۔ یا تم لوگ گمراہی کی دم پکڑتے ہو۔“[1]

انہی بدعتوں میں سے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدعت بھی ہے۔

یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہر مسلمان پر واجب ہے اور مسلمان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نزدیک اس کی اپنی جان، ماں، باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جائیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔[2] لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت اور اصلی عقیدت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و تابعداری کی جائے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس پر عمل کریں اور جس سے منع کیا ہے اس سے دور رہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدعت کے ارتکاب سے منع فرمایا ہے اور اس سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”کل محدثة بدعة“ ”یعنی ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے“

”من عمل عملا لیس علیه أمرنا فهو رد“[3]

(یعنی جس نے وہ کام کیا جس پر ہمارا طریقہ نہیں تو وہ مردود ہے)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانا نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء

---

1)سنن دارمی، باب فی کراهیة اخذ الرأی (۲۰۴)

2)صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان۔ (۱۵)

3)صحیح بخاری۔ البیوع، فتح الباری ۳۵۵: ۴۔ صحیح مسلم: الاقضیة: ۳/۱۳۴۳ (۱۸، ۱۷)

سے، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ ہی سنت کی اتباع کرنے والے علماء سے، بلکہ دراصل یہ عید میلادالنبی فاطمیوں، عبیدیوں، رافضیوں کی ایجاد ہے، جو اپنے آپ کو اس شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں جو خود کو فاطمہ کی اولاد میں سے کہتا تھا، حالانکہ وہ اصلاً یہودی تھا۔

اہل بدعت کی صحبت اختیار کرنے کی ممانعت

بہت ساری علماء تابعین سے بدعتی کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ بدعتی کے ساتھ بیٹھنے یا اس کی صحبت اختیار کرنے سے اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ وہ اپنے ہم نشینوں پر اپنا اثر ڈال دے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور برے لوگوں کی صحبت سے ڈرایا ہے اور ان دونوں کی مثال مشک بیچنے والے اور بھٹی پھونکنے والے سے دی ہے۔ نیک ساتھی مشک بیچنے والے کی طرح ہے کہ یا تو آپ اس سے خریدیں گے یا وہ آپ کو بذات خود دے گا یا آپ ان سے اچھی خوشبو سونگھیں گے۔

اور برے ساتھی کہ مثال بھٹی پھونکنے والے کی طرح ہے کہ یا تو وہ آپ کے کپڑے کو جلادے گا یا آپ اس سے بدبو سونگھیں گے۔[1]

اسی طرح بدعتی یا تو وہ اپنی بدعت کو اچھی شکل میں پیش کر کے تمہارے دل میں اس کا اثر ڈال دے گا یا تمہارے سامنے خلاف شرع کام کر کے تمہارے دل کو بیمار بنادے گا یا اسے تکلیف میں مبتلا کر دے گا۔

اسی وجہ سے سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

"اہلِ اہواء کے ساتھ میل جول نہ رکھو ورنہ وہ تمہارے دل میں وہ بات (بدعت) دال

---

1)البخاری، البیوع، فتح الباری ۴/۳۲۳(۲۱۰۱)، طرفہ ۵۵۳۴۔ مسلم، البر ۴/۲۰۲۶(۱۴۶)

دے گا جس پر تم اس کی اطاعت کروگے تو خود کو ہلاکت میں ڈال دوگے یا اس کی مخالفت کروگے تو اپنے دل کو مریض بناڈالوگے‘‘

اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ:

’’بدعتی کے ساتھ مت بیٹھو ورنہ تمہارے قلب کو بیمار بناڈالے گا۔‘‘

اور ابو قلبہ کا قول ہے کہ:

’’اہلِ اہواء کے ساتھ مت بیٹھو، اور نہ ان کے ساتھ بحث مباحثہ کرو، اس لئے کہ میں اس بات سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ تم کو اپنے گمراہی میں ڈبودیں گے اور جو کچھ تم جانتے تھے اس کے بارے میں وہ تمہیں شبہ میں ڈال دیں گے۔‘‘

ایوب ، ابو قلابہ کے متعلق کہتے ہیں کہ: ’’اللہ کی قسم وہ عقل و فہم رکھنے والے فقہاء میں سے تھے۔‘‘ اور انہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

’’اہلِ اہواء راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں اور میں ان کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ کہیں نہیں دیکھتا۔‘‘

نیز فرمایا:

’’کہ کوئی شخص بدعت ایجاد نہیں کرتا مگر وہ اپنے لئے تلوار کو حلال کرلیتا ہے۔‘‘[1]

اور ایوب سختیانی سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

’’بدعتی اپنی بدعت میں جتنا زیادہ گھستا چلا جاتا ہے، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے‘‘

’’اور وہ مبتدع کو خوارج کہتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ خوارج کے نام میں تو مختلف ہیں، لیکن تلوار کے حلال ہونے میں متفق ہیں۔‘‘[2]

اور یحییٰ بن کثیر نے فرمایا:

---

1)الاعتصام، للشاطبی ۱/۸

2)الاعتصام، للشاطبی ۱/۸۳

''جب کسی راستہ میں بدعتی سے تمہاری ملاقات ہو جائے تو تم اپنا راستہ بدل لو۔''

علماء کرام کے مذکورہ بالا اقوال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مبتدع کی صحبت اختیار کرنا(یا ان کے ساتھ بیٹھنا)ان کو خیر کی طرف دعوت دینے اور ان کے سامنے حق کو بیان کرنے ، نیز ان کو شکوک و شبہات کو دور کرنے کی غرض سے ان کے ساتھ مناظرہ کرنے سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے ہے اور وہ دعوت الی اللہ کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے، جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (۱)

(تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے تمام مسلمانوں کو حسبِ طاقت یہ فریضہ انجام دینے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''من رای منکم منکرا فلیغیرہ ،بیدہ فإن لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع فبقلبه وذالك اضعف الإیمان'' (۲)

(تم میں سے جو کوئی منکر کام ہوتے دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ رکھے تو اس اپنی زبان سے روکے اور اگر اپنی زبان سے نہ روک سکے تو اپنے دل سے ناپسند کرے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔)

علماء سے مبتدع کی مجلس میں بیٹھنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں

---

1)سورۃ آل عمران: ۱۰۴

2)صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان۔۔۔۔ الخ۔

ہے کہ علماء انہیں کتاب وسنت اور خیر کی طرف نہ بلائیں، اور ان کے ساتھ مناظرہ نہیں کریں اور اس غرض کے لئے بھی ان کی مجلس سے قریب نہ ہوں۔ بلکہ اس سے ان علماء کا مقصد ان لوگوں کے متعلق اپنے خوف کا اظہار ہے جو اپنے نفس سے ان بدعتیوں کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور جن کے نتیجے میں ان کے دل پر ان بدعتیوں کی باتوں کا اثر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ابو قلابہ کے قول میں اوپر گزر چکا ہے۔

مبتدع کی توبہ

جہاں تک مبتدع کی توبہ کا تعلق ہے تو بعض علماء تابعین کا خیال ہے کہ یہ محال ہے (یعنی مبتدع کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی) اور مبتدع ایک بدعت سے نہیں نکلتا مگر اس سے بھی بدتر بدعت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ عمل کا بدلہ اسی کے قبیل سے ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (۱)

(جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو کج کر دیا)

یحییٰ بن ابی عمر شیبانی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں دیتا اور وہ ایک بدعت سے نہیں نکلتا مگر اس سے بھی بدتر بدعت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اسی لئے جناب عوام بن حوشب اپنے بیٹے کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ "اے عیسیٰ! اپنے دل کی اصلاح کرو اور اپنے مال کو کم کرو۔" اور یہ کہا کرتے تھے کہ: "اللہ کی قسم! میں عیسیٰ کو اہل بدعت کی مجلس میں بیٹھنے کے بجائے اہل بر ابط یعنی موسیقی وگانے بجانے

---

1) الصف:۵

والوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا دیکھوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔''

وہ ایسا اس لئے کہتے تھے کہ مبتدع اپنی بدعت کو دین سمجھ کر اس پر ڈٹا رہتا ہے اور جب وہ اپنی اس بدعت سے نکلتا ہے تو اس سے بھی بری بدعت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

لیکن اصحابِ معاصی جو مختلف گناہوں مثلاً ناچ، گانے اور پینے پلانے میں مشغول رہتے ہیں تو وہ خواہشات پرست ہوتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام کام گناہوں کے ہیں، لیکن اپنی خواہشات اور نفسِ امارہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ امکان ہے کہ وہ اسے ایک نہ ایک دن اپنے اس اعتقاد کی وجہ سے کہ یہ کام حرام ہیں، چھوڑ دیں گے۔

گویا گناہوں میں مبتلا شخص کی توبہ کی امید بدعت میں مبتلا شخص کے توبہ کی امید سے کہیں زیادہ ہے۔ کیوں کہ بدعتی اپنی بدعت کو دین سمجھ کر اس پر جما رہتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ بدعتی ہے جس کے دل میں بدعت گھول دی گئی ہو، یہاں تک کہ اس کے دل میں اس طرح گھر کر گئی ہو کہ اس کے ماسوا چیزوں کو اس کے مقابلے میں دے مارتا ہو۔ یہاں تک کہ وہ بدعت کے معاملہ میں صاحبِ بصیرت اور اس کی محبت میں اندھا ہو گیا ہو۔ پھر اس کے اس سے پیچھے مڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح اس کے نزدیک بدعت عشق کے درجہ میں داخل ہو گئی ہے اور جو شخص کسی چیز سے اس طرح کی محبت رکھے وہ اس کو دوستی و دشمنی کا معیار بنا لیتا ہے اور اس کے راستے میں کسی بھی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کرتا۔ جیسا کہ قدیم وجدید دور کے مبتدعین کا طرزِ عمل رہا ہے۔ مثلاً قدیم مبتدعین میں سے خوارج کو لے لیجئے جو اصحابِ کبائر کی تکفیر کے سلسلے میں اپنی بدعت واہواء سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ جس شخص نے بھی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا، انہوں نے کتاب وسنت کے نصوص کے خلاف ان پر دنیا و آخرت میں کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (١)

(یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے)

نیز بخاری کی اس حدیث کے خلاف جو سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''إن من مات على التوحيد دخل الجنة وإن زنى وإن سرق- كررها ثلاثا'' (٢)

(کہ جس شخص کا توحید پر انتقال ہوا وہ جنت میں داخل ہو گا، اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تین مرتبہ دھرایا۔)

اور انہی نصوص کی وجہ سے اہل سنت والجماعت نے کہا کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب اللہ کی مشیئت کے تابع ہے۔ اگر وہ چاہے تو اسے معاف فرما دے گا اور اگر چاہے تو اس کے گناہوں کے بقدر اس کو عذاب دے گا اور (بالآخر) اس کا ٹھکانہ جنت ہو گا۔

خوارج کے علاوہ بدعت کے داعی و حاملین بِشر اور اس کے متبعین ہیں جو خوارج کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان دہ نہیں۔''

اور معاصر (عہد جدید کے) بدعتی جو اس ملک (سعودی عرب) میں پیدا ہونے والے اور پروان چڑھنے والے ہیں، جنہوں نے یہاں کے نصابِ تعلیم کو تمام مراحل میں پڑھا اس کے باوجود آپ ان کو پائیں گے کہ وہ ان بدعات و خرافات کو پکڑے ہوئے ہیں

---

1)سورۃ النساء:۴۸

2)یہ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث کا مفہوم ہے جو کتاب اللباس، باب الثياب البيض میں موجود ہے۔۵/۲۱۹۳(۵۴۸۹)

جن میں ان کے باپ دادا کتاب و سنت اور سنتِ خلفائے راشدین کے خلاف زندگی گزراتے تھے اور ان کی مشہور بدعت جس کے ذریعہ یہ بدعتی سادہ لوح اور پاکیزہ خصلت عوام کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔ وہ ہے میلاد النبی کی مجلسیں منعقد کرنا، اس سے وہ لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ سے حقیقی محبت رکھتے ہیں۔ اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کو سنت پر عمل اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی طرف اور ان کی نافرمانی سے بچے رہنے کی طرف متوجہ کرے۔ نیز ان کو آپ کے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کے لئے ابھارے کیوں کہ ان کا عمل بھی سنت ہے لیکن یہ بدعتی ان تمام چیزوں سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت کے دعویٰ میں اور آپ کی محبت کے اظہار کے لئے میلاد النبی ﷺ کی مجلسیں منعقد کرتے رہتے ہیں۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ:

> "کسی مسلمان کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے نزدیک اس کے اپنے نفس اور اپنی اولاد، والدین نیز تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔"[1]

لیکن اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کامل ترین تعبیر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو کام کرنے کا حکم دیا ہے اس میں آپ کی اطاعت کرنا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان سے رک جانا۔

تو کیا یہ عید میلاد النبی ﷺ جسے یہ لوگ مناتے ہیں، یہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے یا جن چیزوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس کی مخالفت ہے؟

---

1) البخاری، الایمان، فتح الباری ١/٥٨ رقم الحدیث: ١٤

بے شک جشن عید میلاد النبی ﷺ کا قیام رسول اللہ ﷺ سے دشمنی اور آپ ﷺ کے منع کردہ حکم کی صریح نافرمانی ہے۔ اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ متفق علیہ حدیث میں فرماتے ہیں:

''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد''[1]

(جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقہ پر نہیں تو وہ مردود ہے۔)

اور دوسری صحیح حدیث میں فرماتے ہیں:

''كل محدثة بدعة''[2]

((دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے)

تو یہ میلاد النبی ﷺ نئی ایجاد ہے۔ جسے نہ اللہ کے رسول ﷺ نے منایا ہے اور نہ خلفائے راشدین نے اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے، حالانکہ وہ لوگ سنت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے ہم سے زیادہ حریص تھے، حقیقت یہ ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ اور اس کے علاوہ دوسری تمام یادگاری عیدیں رافضی فاطمیوں کی ایجاد کردہ ہیں۔

امام ابو حفص تاج الدین فاکہانی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''المورد في عمل المولد'' میں رقمطراز ہیں کہ:

''مبارکین کی ایک جماعت نے اس اجتماع کے بارے میں بار بار سوال کیا جسے بعض لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں کرتے ہیں اور اسے عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے موسوم کرتے ہیں کہ کیا دین میں اس کی کوئی اصل ہے؟ اور انہوں نے اس سلسلے میں واضح مفصل جواب طلب کیا۔''

---

1) صحيح مسلم كتاب الاقضية۔

2) ابوداؤد كتاب السنة۔

تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ میں اس عید میلاد النبی کے سلسلے میں قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہیں جانتا اور نہ اس کا کرنا امت کے ان علماء سے ثابت ہے جو دین میں قدوہ و نمونہ اور سلف صالحین کے طریقہ کی پیروی کرنے والے ہیں، بلکہ یہ بدعت ہے جسے باطل پرستوں نے ایجاد کیا ہے اور نفسانی خواہش ہے جس کے ذریعہ پیٹ کے پجاری اپنی تجوری بھرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بدعت کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اسی طرح بعض لوگوں نے جو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایجاد کیا ہے، یا تو یہ عیسیٰ علیہ السلام کا جشنِ ولادت منانے میں نصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و تعظیم کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ آپ کی تاریخِ پیدائش کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے اور اسے سلف صالحین نے نہیں کیا اور اگر یہ محض بھلائی کا کام ہوتا، یا اس میں بھلائی کا پہلو غالب ہوتا تو سلف رحمۃ اللہ علیہم اس کو کرنے کے ہم سے زیادہ حقدار تھے۔ اس لئے کہ وہ ہم سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والے اور ہم سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرنے والے تھے۔ نیز وہ خیر کے سب سے زیادہ حریص تھے۔"

در حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و تعظیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی اتباع اور ظاہر و باطن میں آپ کی سنت کو زندہ کرنے میں ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، اس کی نشر و اشاعت میں اور اس پر دل و زبان اور ہاتھ سے جہاد کرنے میں ہے اور یہی سابقین اولین یعنی مہاجرین و انصار اور ان لوگوں کا طریقہ ہے جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع کی ہے۔"[1]

جن کے دل میں بدعت پوری طرح راسخ نہیں ہوئی ہے بلکہ انہوں نے اس کو محض

---

1)اقتضاء الصراط المستقیم ۲/۶۱۵ تحقیق، الدکتور ناصر العقل

اچھا سمجھ کر کیا ہے اور اسے اللہ سے تقرب کا ذریعہ گمان کیا ہے، پھر ان کو اس کے خلاف دلیل مل گئی اور انہوں نے اسے سمجھ لیا تو اغلب یہ ہے کہ وہ اس بدعت سے توبہ کر لیں گے اور حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔

علماء اس کی مثال میں ان خوارج کو پیش کرتے ہیں جو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے مناظرہ کے بعد حق کی طرف لوٹ گئے تھے۔اسی طرح خلیفہ مہتدی باللہ اور واثق باللہ بھی تھے جو دلیل واضح ہو جانے کے بعد خلقِ قرآن کی بدعت سے تائب ہو گئے تھے۔

مبتدع کا حکم

مبتدع وہ شخص ہے جو بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس کی وجہ سے محبت یا دشمنی رکھتا ہے۔

بدعت کبھی مکفرہ ہوتی ہے اور کبھی غیر مکفرہ ہوتی ہے اور جس شخص کا اسلام ثابت ہو چکا ہو اس پر فسق یا بدعت کا حکم لگانے یا اس کی تکفیر کرنے سے اسلام نے منع فرمایا ہے اور ڈرایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''من قال لاخيه يا كافر، إن لم يكن كذالك، وإلا رجعت عليه''[1]

(جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا اور وہ س کے مصداق نہیں ہے تو وہ کہنے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے)

اسی بنا پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی پر کفر کا فتویٰ لگائے اگرچہ وہ غلطی یا خطا کرے یہاں تک کہ اس پر حجت قائم ہو جائے اور اس کو صحیح طریقہ بتادیا جائے اور جس کا اسلام یقینی طور پر ثابت ہو گیا تو کسی شک کی وجہ سے یہ اس سے زائل

---

1)مسلم،الایمان ۱/۷۹ رقم الحدیث ۱۱۱

نہیں ہوگا، بلکہ حجت قائم ہونے یا شبہ کے ازالہ کے بعد ہی زائل ہوگا۔"[1]

مگر جو لوگ ہدایت و دینِ حق سے دور ہیں اور آپ ان کو شریعت کے خلاف امور کا اتکاب کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو مخالفات کے ارتکاب کے لحاظ سے ان کا حکم الگ ہوگا۔ یا تو کفرِ صریح یا نفاق۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"کہ جو لوگ درویش، نمائشی فقیہ، ریاکار عبادت گذار، مکار زاہد، فلسفی، طبیب وغیرہ، راہِ ہدایت اور دین حق سے دور ہیں اور ان تمام چیزوں کو نہیں مانتے جن کی اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی خبر دی ہے اور جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے انہیں حرام نہیں جانتے۔"

مثلاً جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کا شیخ اس کو رزق دیتا ہے یا اس کی مدد کرتا ہے یا اس کو ہدایت دیتا ہے یا اس کی فریادرسی کرتا ہے یا اپنے شیخ کی عبادت کرتا ہے یا اپنے شیخ کو رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مطلقاً یا کسی خاص اعتبار سے فضیلت دیتا ہے کہ اس کا شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے مستغنی (بے نیاز) ہیں۔ تو شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ:

"یہ تمام لوگ کافر ہیں، اگر وہ ان باتوں کا کھلم کھلا اظہار کریں اور اگر اظہار نہ کریں تو منافق ہیں۔"

موصوف نے مزید فرمایا کہ ان کے زمانہ میں اس قسم کے لوگوں کی کثرت کی وجہ سے علم وایمان کی طرف دعوت دینے والوں کی کمی ہے۔

پھر انہوں نے (شیخ الاسلام) مبتدع کی دوسری قسم کو بیان کیا ہے جن پر حکم

---

1) الفتاویٰ ۱۲/۴۶۶

لگاتے وقت تثبت اور احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے کہ کفر کبھی عملی ہوتا اور اور کبھی اعتقادی ہوتا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا شریعت میں الگ الگ حکم ہے۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

''اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ (بات) جو کتاب و سنت اور اجماع کی رو سے کفر ہے، اس کے بارے میں مطلقاً کہا جائے گا کہ وہ کفر ہے۔ جیسا کہ اس بات پر دلائلِ شرعیہ دال ہیں۔ کیوں کہ ایمان ان احکام کا نام ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ماخوذ ہیں، ان احکام کا نام نہیں جو لوگ اپنے گمان و خواہشِ نفس سے بیان کرتے ہیں۔''

موصوف نے مزید فرمایا:

''اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص نے مذکورہ بالا کفریہ بات کہی ہے اس پر کفر کا حکم لگایا جائے۔ یہاں تک کہ اس کے حق میں شروطِ تکفیر پائی جائیں اور اس کے موانع موجود نہ ہوں۔''

پھر اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

''مثلاً کسی شخص نے اپنے اسلام کا زمانہ قریب ہونے یا کسی دور دراز دیہات میں نشو نما پانے کی وجہ سے شراب اور سود کو حلال کیا۔''(۱)

اور علامہ موصوف نے مبتدع کے حکم کے سلسلے میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس پر حجت قائم کرنا اور اس سے شبہ کو دور کرنا ضروری ہے، پھر قرآن کو مخلوق کہنے کی بدعت کا ذکر کیا، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مامون و معتصم کے ساتھ جو معاملہ در پیش ہوا اس کو بیان کیا کہ انہوں نے ان دونوں کو شبہات پائے جانے کی وجہ سے معذور سمجھا اور ان کے لئے دعاء کی اور اگر وہ ان دونوں کے کافر ہونے کا اعتقاد رکھتے تو ان

---

1) الفتاویٰ ۳/۳۵۴، الفتاویٰ ۱۰/۳۲۹

کے لئے دعاء نہ فرماتے۔[1]

حافظ حکمی اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں کہ:

"دین میں خلل ڈالنے کے اعتبار سے بدعت کی دو قسمیں ہیں: مکفرہ اور غیر مکفرہ۔"[2]

بدعتِ مکفرہ

بدعت مکفرہ کا ضابطہ (اصول) یہ ہے کہ کسی ایسے حکم کا انکار کیا جائے جس پر امت کا اجماع ہے اور جو تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جس کا دین ہونا بالکل ظاہر ہے، مثلاً: کسی فرض کا انکار کرنا یا کسی حرام کو حلال سمجھنا، یا کسی حلال چیز کو حرام جاننا یا کوئی ایسا عقیدہ رکھنا، جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور اس کی کتاب پاک ہیں۔

بدعت غیر مکفرہ

بدعتِ غیر مکفرہ وہ ہے جس سے قرآن کی تکذیب یا کسی ایسی چیز کی تکذیب لازم نہ آتی ہو جسے دے کر رسولوں کو بھیجا گیا ہے۔

پھر شیخ موصوف نے اسی کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

"جیسا کہ مروانیوں کی بدعت یعنی بنی مروان کی حکومت کے لوگوں کی بدعت جن پر فضلاء صحابہ نے نکیر کی اور ان پر خاموشی اختیار نہیں کی، اس کے باوجود انہوں نے ان کو ان میں سے کسی بھی بات کی وجہ سے کافر نہیں کہا اور نہ اس کی وجہ سے انہوں نے ان کی بیعت سے ہاتھ کھینچا۔

---

1) الفتاویٰ ۱۲/۴۶۶ ومابعدھا

2) معارج القبول (۲:۵۰۳-۵۰۴)

اور مروانیوں کی بدعت یہ تھی کہ وہ بعض نمازوں کو وقت سے مؤخر کر کے ادا کرتے تھےاور نماز عید سے پہلے عید کا خطبہ دیتے تھے۔"

مخطئ کا حکم

اس سے پہلے مبتدع کی تعریف گزر چکی ہےاور وہ یہ ہے کہ :

"مبتدع وہ شخص ہے جو بدعت ایجاد کرے اور اس کی طرف دعوت دے، نیز اسی کی وجہ سے محبت و دشمنی رکھے اور یہ کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک مکفرہ اور دوسری بدعتِ غیر مکفرہ۔اور اس کا ارتکاب کرنے والے کے سلسلے میں ہم علماء کے اقوال بھی نقل کرتے آئے ہیں۔"

جہاں تک بعض مسائل میں خطا کرنے والے کا تعلق ہے جو اپنے منہج اور اچھے طریقۂ کار نیز اپنے شرعی علم سے معروف و مشہور ہے تو اس کی خطا نہ اس کی شان کو گھٹائے گی اور نہ ہی اس کی قدر میں کمی کرے گی اور اگر وہ باحیات ہے تو اس کی خطا پر حکیمانہ اسلوب کے ساتھ جو علماء کے درمیان معروف ہے اور تعاونوا علی البر والتقویٰ پر مبنی ہے ۔اسے متنبہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اور طالبِ حق کو اس کے مقام و مرتبہ اور ادب واحترام کی رعایت کے ساتھ نصیحت کی جائے گی،اور تشدد و تکبر کے بجائے حکمت و موعظت کے ساتھ حق بات دلیل کے ذریعہ اس کے لئے واضح کی جائے گی، تاکہ نصیحت کا مقصد پورا ہو اور اختلاف واقع نہ ہو، نیز محبت و اخوت باقی رہے ، کیونکہ تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔

اور اگر مخطئ اپنے رب کو پیارا ہو گیا ہو تو اس کے لئے دعا کی جائے گی۔اس لئے کہ معصوم تو صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور لوگوں کو اس کی غلطی سے آگاہ کیا جائے گا

تاکہ اس غلطی میں وہ اس کی اتباع نہ کریں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ائمہِ ہدیٰ اور ان سے صادر ہونے والی لغزشوں کے سلسلے میں بیان فرماتے ہیں کہ:

"امت میں سے جن کی تعریف لوگوں کی زبانوں پر جاری رہتی ہے، اور جنہیں عوام کی اکثریت کے نزدیک مقبولیت حاصل ہے، یہی لوگ ائمہِ ہدیٰ اور تاریکیوں کے چراغ ہیں اور ان کی درستگی کے مقابلے میں ان کی غلطی تھوڑی ہے اور ان میں سے اکثر کا تعلق اجتہادی مسائل سے ہے۔ جن میں وہ معذور ہیں۔ اور وہ لوگ علم وعدل کے اتباع کرنے والے ہیں۔ چنانچہ وہ خواہشاتِ نفس کی اتباع اور جہالت سے بہت دور ہیں۔"[1]

بدعت کی دوسری قسم کی تقسیم

بدعت کی دوسری قسم کی تقسیم حسب ذیل اعتبار سے ہے:

(۱) عملی

(۲) اعتقادی

(۳) قولی

عملی بدعت

یہ ظاہری عمل میں ہوتی ہے، مثلاً وہ نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت شدہ طریقے کے خلاف ہو، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مخالف وہ تمام کام جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے تو یہ تمام چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان میں داخل ہیں:

---

1) الفتاویٰ: ۱۱/۴۳

''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد''

(جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقہ پر نہیں تو وہ مردود ہے)

اعتقادی بدعت

اعتقادی بدعت یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ بات کے خلاف اعتقاد رکھا جائے، مثلاً خوارج کی بدعت کہ وہ گنہگار مسلمانوں کے سلسلے میں کفر کا اعتقاد رکھتے ہیں، بلکہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کی وجہ سے معاذاللہ بعض صحابہ کے کفر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

قولی بدعت

قولی بدعت یہ ہے کہ جو چیز کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو، اس کو بدل دیا جائے۔ جیسا کہ مشہور بدعتی فرقوں کے وہ اقوال جو کتاب و سنت کے صریح مخالف ہیں اور جن کا فساد و قباحت واضح ہے، جیسا کہ رافضہ، خوارج، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ کے اقوال۔ نیز ان تمام تاویل کرنے والے فرقوں کے اقوال، جنہوں نے فرقۂ ناجیہ جو قیامت تک حق پر قائم رہنے والا ہے اور جس کی صفت رسول اللہ ﷺ نے بیان کر دی ہے کے خلاف اپنی طرف سے منہج مقرر کیا۔

ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ کی حدیث میں امت کے مختلف فرقوں میں بٹ جانے کی نبوی پیشن گوئی اور اس کی صداقت و حقانیت کا ظہور وارد ہوا ہے۔ جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''إن اليهود افترقت على إحدى وسبعين فرقة ،والنصارى على اثنتين وسبعين فرقة، وأن هذه الأمة ستفترق على ثلاث وسبعين فرقة كلها في النار

إلا واحدة فلما سئل عنها قال: هی ما کان علی ما أنا علیه وأصحابی'' [1]

(یہود ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ ۷۲ فرقوں میں، اور عنقریب یہ امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، اس میں ایک کو چھوڑ کر باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ جب اس ایک نجات یافتہ فرقہ کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا گیا تو فرمایا: جو اس طریقہ پر ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔''

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے جو جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لا تزال طائفة من أمتی ظاهرین حتی یأتیهم امر الله وهم ظاهرون'' [2]

(برابر میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ غالب ہی رہے گی۔)

اور جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین، وإنما أنا قاسم ویعطی الله، ولن یزال أمر هذه الامة مستقیما حتی تقوم الساعة او حتی یاتی امر الله'' [3]

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور بے شک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور برابر اس امت کا معاملہ اسی طرح درست و قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے یا اللہ کا حکم آجائے۔)

اور اسی طرح حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے، جس میں امت کے ان فرقوں میں بٹ جانے کے وقت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے آپ ﷺ کا یہ پیغام ہے کہ:

---

1) الترمذی، الایمان، تحفة الاحوذی ۲۷۷۹/۷۔قال حدیث حسن

2) البخاری، الاعتصام، فتح الباری ۱۳/۲۹۳ رقم الحدیث ۷۳۱۱

3) البخاری، الاعتصام، فتح الباری ۱۳/۲۹۳ رقم الحدیث ۷۳۱۲

"تم مسلمانوں کی جماعت اور اس کے امام کو پکڑے رہنا۔" جسے عنقریب ہم ذکر کریں گے ، نیز ان فرقوں کی کثرت کا سبب اور ان کے افکار مختلف ہونے کی وجہ ہم بیان کریں گے۔ اس لئے ہماری گفتگو امت کے ان فرقوں میں بٹ جانے کے سلسلے میں ہوگی جس کی طرف اللہ کے رسول ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے اور جو خواہشاتِ نفس کی وجہ سے بٹ گئے اس طرح کہ ہر فرقہ نے اللہ کے دین میں ایسے فاسد عقیدے اور باطل اقوال (نظریات) ایجاد کر لئے جن کی نہ اللہ نے اجازت دی ہے اور نہ اللہ کے رسول ﷺ نے اور انہوں نے اپنی عقلوں سے اس کے لئے ایسے مناہج وضع کئے جو رسول اللہ ﷺ کے منہج اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے منہج کے مخالف ہیں، پھر اپنے بنائے ہوئے ان مناہج کے مطابق انہوں نے لوگوں کو فاسد عقائد کی طرف دعوت دی۔ اور ان کو ولاء و براء کے عقیدہ کی اصل قرار دیا۔ تو جس شخص نے ان کے اس منہج کی موافقت کی اور ان کے عقائد کے مطابق اعتقاد رکھا تو انہوں نے اس کو قبول کیا اور اس کی پشت پناہی کی اور اس کی عزت کی اور جس نے ان باتوں میں ان کی مخالفت کی تو اس کو مبتدع و فاسق ٹھہرایا اور اس سے اپنی برأت ظاہر کی اور اگر ان کے پاس اقتدار رہا اور حکام ان کے زیرِ طاعت رہے تو انہیں اس کے خلاف ورغلایا، اور اس کو قید کرادیا اور اس کی پٹائی کی اور اکثر کو قتل بھی کرادیا۔

اور ہم ان فرقوں کے مناہج کے کچھ نمونے بھی بیان کریں گے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وابن قیم رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد ہم ان مناہج اور ان کے ماننے والوں کا اہل السنۃ والجماعۃ (فرقۂ ناجیہ) کے ساتھ معاملہ اور معاصر جماعتوں کے اپنے ہمنواؤں کے ساتھ معاملہ اور جو ان کے منہج میں ان کی مخالفت کرتے ہیں ان کے ساتھ ان کے معاملہ کے درمیان ہلکا سا موازنہ پیش کریں گے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ کیا حقیقتِ امر میں ان موجودہ جماعتوں اور گذشتہ فرقوں کے درمیان کوئی بنیادی فرق پایا جاتا ہے یا صرف

ناموں کا فرق ہے اور یہ کام بغیر کسی شخص کے نام کے تعیین کئے ہوئے ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا مقصد صرف غلطی پر تنبیہ کرنا ہے، تاکہ اس سے بچا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپ ﷺ جب کسی شخص کو اس کی غلطی پر تنبیہ فرماتے تو کہتے کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ایسا اور ایسا کہتے ہیں اور آپ ﷺ ان کا نام نہیں لیتے تھے۔

پھر اس کے بعد ہم فرقۂ ناجیہ کے منہج کو بیان کریں گے، جس طرح کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔

پھر اس بات کو بیان کریں گے جو بعض دعاۃ کے ورغلانے سے کئی نوجوانوں کے ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے کہ فلاں گروہ اور اس کی طرف انتساب کرنے والے بھی دوسرے گروہوں کی طرح ایک گروہ ہے۔

کیا اس جماعت کا وجود عصرِ حاضر میں ہے جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے فرقۂ ناجیہ کہا ہے؟ اور کیا وہ کسی خاص شہر میں محصور ہے؟ اور کیا اس کا کوئی امام ہے جو کتاب وسنت کی روشنی میں اس کی رہنمائی وقیادت کر رہا ہے؟ یا اس وقت ہم اس زمانہ میں ہیں جن کی طرف حدیثِ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ میں اشارہ کیا گیا ہے، جس کا متن عنقریب آرہا ہے کہ ہم سب اس بات پر مجبور ہو جائیں کہ ہم میں سے ہر شخص کسی درخت کی جڑ سے چمٹ جائے یہاں تک کہ اس کو اسی حالت میں موت آجائے۔

چند بدعتی فرقے اور ان کے اصول

نبی کریم ﷺ نے جس چیز سے اپنی امت کو ڈرایا تھا وہ واقع ہوگئی۔ چنانچہ اختلافات کا ظہور ہوگیا، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی تھی اور امت مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔ جو ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے یا فاسق کہتا ہے یا مبتدع کہتا ہے اور

اس انحراف کا سلسلہ عبداللہ بن سبا یہودی حمیری کے ظہور سے شروع ہوا۔ جس نے منافقانہ طور پر اسلام کا دعویٰ کیا اور اپنے ملحدانہ افکار کو اس امت میں پھیلایا۔ تو اسلام کی تعلیمات سے کوسوں دور ان افکار کو جاہل عوام نے قبول کر لیا اور جو بالآخر خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سبب بنے۔

روافض (شیعہ) اور ان کے بعض اصول

شیعہ کے فاسد عقائد میں سے ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت کا دعویٰ تھا، اور یہ دعویٰ بھی کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس وصیت کی خلاف ورزی کی تھی، پھر اس نے اپنے اس گمان کے تحت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس بات کا حکم لگایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کی خلاف ورزی کی، اس وجہ سے وہ سب کے سب (معاذ اللہ) کافر ہو گئے تھے۔

چنانچہ اس نے تین صحابہ کے علاوہ بقیہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ علماء نے اس کی مکاری اور جھوٹ و الحاد و زندقہ کا پردہ اچھی طرح چاک کیا اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ بات واضح کر دی کہ ان کے لئے اس طرح کی کوئی وصیت کی گئی تھی اور نہ ہی کسی دوسرے کے لئے۔ یہاں مزید تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، بہر حال اس کے بعد ہی بہت سارے فرقوں کا وجود ہوا اور ان کے افکار پھیلتے گئے۔

اور اس کا سبب جو مقریزی وغیرہ نے صفدی کی زبانی بیان کیا ہے کہ: خلیفہ مامون الرشید نے بعض نصرانی بادشاہوں سے اور بقولِ صفدی جزیرۂ قبرص کے بادشاہ سے، یونانی کتابوں کا خزانہ طلب کیا۔ جس کے پاس ایک گھر میں ان کتابوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور کسی کو ان کتابوں کے دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ تو بادشاہ نے رائے دینے والے اپنے

خاص لوگوں کو جمع کیا اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ لیا تو سب نے اسے ان کتابوں کو نہ دینے کا مشورہ دیا، مگر ایک پادری نے کہا کہ ان کو اس کے پاس بھیج دیجئے، کیونکہ یہ علوم جس صحیح حکومت میں داخل ہوں گے اس کو بگاڑ دیں گے اور ان کے علماء کے درمیان اختلاف ڈال دیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور فاسد افکار پھیل گئے۔ ان افکار میں سب سے اول عبداللہ بن سبا کے افکار تھے۔ چنانچہ رافضیوں کا ظہور ہوا اور انہوں نے اسی عقلی بنیاد پر جو خواہشات کی پروردہ تھی اپنے عقائد کی بنیاد رکھی۔ جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان گروہوں کے بارے میں لکھا ہے جنہوں نے اهل سنة والجماعة کی مخالفت کی اور اپنے مذہب کی بنیاد ان قواعد پر اپنی عقلوں سے رکھی۔

علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں:

> "چنانچہ رافضیوں نے اپنے مذہب کی بنیاد صحابہ کی عداوت کو قرار دیا اور اس وجہ سے انہوں نے ہر اس چیز کو رد کر دیا جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب میں وارد ہوئی ہے یا پھر اس کی تاویل کی۔"(۱)

خوارج اور ان کے بعض اصول

پھر فرقہ خوارج کا ظہور ہوا اور وہ بھی عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں۔ چنانچہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور ان کو نیز تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہا۔ پھر انہوں نے اپنے لئے ایک اصول مقرر کیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دنیا و آخرت میں کافر ہے۔ حالانکہ وہ نرے جاہل ہیں اور نصوص شرعیہ کا انہیں کچھ بھی علم نہیں ہے۔

---

1) الصواعق: ۱۱۸:۱

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کا وصف بیان فرمایا ہے کہ :

''وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور اہل اوثان (بت پرستوں) کو چھوڑ دیں گے۔''

نیز اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کا وصف بیان فرمایا ہے کہ ان کے اندر دین کی صحیح سمجھ نہیں ہوگی اور جہالت کی بنیاد پر وہ کثرت سے عبادت کریں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ :

''تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے آگے اور اپنی قرأت کو ان کی قرأت کے آگے حقیر جانو گے۔''

اور مسلم کی ایک روایت میں فرمایا:

''قوم يقرؤن القرآن بالسنتهم لا يعدو تراقيهم ،يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية''[1]

(وہ لوگ اپنی زبان سے قرآن پڑھیں گے، لیکن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔)

اور ان کے قتل پر ابھارتے ہوئے فرمایا:

''فاذا لقيتموهم فاقتلوهم، فان في قتلهم أجرا لمن قتلهم عند الله يوم القيامة''[2]

(پھر جب تم ان کو پاؤ تو قتل کر دو اس لئے کہ ان کے قتل کرنے والے کو قیامت کے دن اللہ کے پاس ثواب ملے گا۔)

اور دین سے نکل جانے والے اس گروہ کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا۔ اس لئے کہ وہ بجائے اس کے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شرفِ تلمذ حاصل کرتے جو نزول وحی کے وقت موجود تھے اور جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیضیاب

---

1)مسلم ،الزكاة باب الخوارج شر الخلق (١٥٩)

2) مسلم ،الزكاة باب التحريض على قتل الخوارى ٢/٧٤٦ رقم الحديث (١٥٤)

ہوئے تھے، تاکہ وہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دین کی سمجھ حاصل کرتے اور اسلامی شریعت کے احکام ان سے اخذ کرتے، ان کو کافر کہا اور یہ ان کی نری جہالت تھی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں بیان کیا ہے اور وہ عبداللہ بن سبا کے متبعین میں سے ہیں جنہوں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور ان کو ظالمانہ طور پر شہید کر دیا۔

جہمیہ اور ان کے اصول

پھر جہمیہ کا ظہور ہوا، جو جہم بن صفوان کے پیروکار تھے۔ اور انہوں نے ایک اصل وبنیاد مقرر کی کہ اللہ تعالیٰ نہ تکلم کرتا ہے اور نہ کسی سے ہم کلام ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت میں آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ عرش کے اوپر اپنی مخلوق سے جدا ہو کر مستوی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس عقیدہ کی وجہ سے وہ ہر اس چیز کا انکار یا تاویل کرتے ہیں جو کتاب وسنت میں ان کی اس اصل کے خلاف وارد ہوئی ہے۔

معتزلہ اور ان کے اصول

اور معتزلہ نے اپنے مذہب کی بنیاد وعید کے مکمل نفاذ پر رکھی اور یہ عقیدہ بنایا کہ جو شخص جہنم میں داخل ہوگا وہ وہاں سے کبھی نہیں نکلے گا، نیز وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں اور قرآن کو مخلوق کہتے ہیں۔

دیگر فرقوں کے اصول اور اہلسنت والجماعت کے ساتھ ان کا رویہ

انہیں کے مثل فرقہ کلابیہ، اشعریہ، مرجیہ اور وہ تمام گروہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء

وصفات میں تاویل کرتے ہیں اور نصوص کو عقل سے پرکھتے ہیں۔ چنانچہ جو ان کو عقل کے موافق ہوتا ہے وہ قبول کرتے ہیں اور جو ان کی عقل کے خلاف ہوتا ہے اسے رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ عقل معیار نہیں ہے کہ کتاب و سنت کے شرعی نصوص کو اس سے پرکھا جائے، اس لئے کہ عقلیں مختلف ہوتی ہیں، چنانچہ جہمی کی عقل جس کو قبول کرتی ہے اسے رافضی و معتزلی کی عقل قبول نہیں کرتی اور یہی حال دیگر گروہوں کا بھی ہے۔

اور ولاء و براء کو بھی انہوں نے اپنے انہیں اصول و قواعد پر رکھا۔ جن کو انہوں نے اپنی عقلوں سے گڑھ لیا تھا۔ تو جس شخص نے ان کی بات میں ان کی موافقت کی، اس کو قبول کیا اور اس سے محبت کی اور اس کو عہدے دیئے اور اس کی عزت کی۔

اور جس نے ان کی مخالفت کی، اس کو کافر کہا، اس سے دشمنی کی اور اس کو قید کر دیا اور زد و کوب کیا، نیز اکثر کو قتل بھی کر دیا اور ان کی شہادت قبول نہیں کی اور ان کو دشمن کے ہاتھوں سے نہیں چھڑایا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تکفیر کے بیان میں کلام کرتے ہوئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا معاملہ معتزلہ کے ساتھ (بیان کرتے ہیں) اور معتزلہ کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے باطل عقیدہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور جس باطل عقیدہ کو انہوں نے دوستی و دشمنی کے لئے معیار بنایا۔ ہم عنقریب ان کے درمیان اور معاصر گروہوں کے درمیان تقابل کریں گے تاکہ ان کے درمیان اگر فرق پایا جائے تو ہم اسے بیان کر دیں۔ یا اگر صرف ناموں کا فرق ہو تو اسے بھی جان سکیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا واسطہ جہمیہ کے ساتھ پڑا۔ جنہوں نے ان کو خلق قرآن و صفات کے انکار کی طرف بلایا اور ان کو اور اس زمانہ کے تمام علماء کو آزمائش میں ڈال دیا

اور مؤمن مردوں اور عورتوں کو جنہوں نے جہمی ہونے میں ان کی موافقت نہیں کی، مار، قید اور عہدوں سے معزولی پنشن بندی کی سزا دی اور ان کی شہادت رد کر دی اور دشمنوں کے ہاتھ سے ان کی گردن خلاصی نہ کرا کے ان کو فتنہ میں ڈالا۔"[۱]

کیوں کہ اس وقت بہت سارے ولی، امر، حاکم و قاضی وغیرہ جہمیہ میں سے تھے اور وہ ہر اس شخص کو کافر کہتے تھے جو صفات کے انکار کے سلسلے میں ان کی تائید نہیں کرتا تھا ، جیسے قرآن کو مخلوق ماننا اور وہ ان کے سلسلے میں وہی فیصلہ کرتے تھے جو کافر کے سلسلے میں کرتے تھے۔ چنانچہ ان کو کسی صوبہ کا والی نہیں بناتے تھے اور نہ ہی ان کو دشمن سے آزاد کراتے تھے اور نہ ہی ان کو بیت المال سے کچھ دیتے تھے اور نہ ان کی شہادت قبول کرتے تھے اور نہ ہی فتویٰ اور روایت قبول کرتے تھے اور ولایت و شہادت اور قید سے آزادی کے وقت ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے۔

چنانچہ جس شخص نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کیا اس کے صاحب ایمان (مؤمن) ہونے کا فیصلہ صادر کیا اور جس نے اس کا اقرار نہیں کیا تو اس کے لئے اہل ایمان ہونے کا فیصلہ نہیں دیا اور جو شخص جہمیت کے علاوہ سنت کی طرف دعوت دیتا تھا اس کو قتل کیا، یا اس کی پٹائی کی، یا قید کر دیا۔

یہ معاملہ ان فرقوں کا، اللہ کے رسول ﷺ و صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع کرنے والے گروہ اہل سنت والجماعت کے ساتھ تھا جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی انہی باطل عقائد اور منہجوں پر قائم تھی۔

اور اسی طرح عصر حاضر کے بہت سارے قلمکار اور دعوت و تبلیغ میں مشغول رہنے

---

1) فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۲:۴۸۸

والے نیز مسلمانوں کے اتحاد میں کوشاں لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ عوام الناس کو ان خطوط کی طرف رہنمائی کرنا اور انہیں بحث و تحقیق کی دعوت دینا اور ان اصول و قواعد کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانا کہ جن اصولوں کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی اصلاح کے لئے استعمال کیا تھا، یہ عصر حاضر کے قلمکار اسے کہتے ہیں کہ عقیدے کے مسائل پر گفتگو کرنے والے علماء و محققین گڑے مردے اکھاڑ رہے ہیں(اور ایک بے کار بحث کو زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں) گویا کہ فرقوں اور جماعتوں کے متعلق گفتگو ان کے نزدیک ایسے امور میں بحث ہے جن کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ حالانکہ انہیں یہ پتہ نہیں کہ جن کا خاتمہ ہو گیا ہے وہ اشخاص ہیں، جہاں تک افکار و مناہج اور عقائد کی بات ہے تو وہ زندہ اور برابر جاری ہیں۔اس لئے ہم مناہج سابقہ اور مناہج معاصرہ کے درمیان ایک تقابلی موازنہ پیش کر رہے ہیں۔

معاصر جماعتوں کے مناہج

بے شک امت اسلامیہ ایک ہی امت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱعْبُدُونِ﴾ [1]

(یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔)

اور اس کا راستہ و طریقہ بھی ایک ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِى مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِۦ ذَٰلِكُمْ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [2]

(اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا

---

1) سورۃ الانبیاء: ۹۲

2) سورۃ الانعام: ۱۵۳

ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔)

عصر حاضر میں ہم اسلامی دنیا میں متعدد اسلامی جماعات و گروہ دیکھ رہے ہیں، جن میں سے ہر ایک نے اپنا ایک نام رکھ لیا ہے اور اپنے لئے ایک منہج متعین کر لیا ہے اور اس منہج کے حدود میں رہ کر اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ ان جماعتوں اور گروہوں کو متفرق و باہم بر سر پیکار پائیں گے جو سابقہ جماعات و گروہوں سے متحارب و مختلف ہیں۔

پھر یہ جماعتیں اور گروہ اپنے اپنے منہج کی بینا د پر دوستی و دشمنی رکھتے ہیں، جس کو انہوں نے اپنے متبعین کے لئے بنایا ہے۔ اس جماعت سے نسبت رکھنے والوں کے لئے اپنے اس منہج کی پابندی اور اس سے نہ نکلنے کو لازم قرار دیتے ہیں تو گویا وہ شخص پابند ہے کہ اس کے مقرر کردہ حدود اور اس کے شعار کے تحت ہی کسی کو کچھ دے گا اور کسی سے کچھ لے گا۔

اس لئے کہ ان کے قائدین اور لیڈروں کی نظر میں اسلام اور اس کی تمام تعلیم اس منہج میں منحصر ہے، چنانچہ اس کے نتیجہ میں فرقہ ناجیہ کے منہج سے دور اور تنگ افق کی وجہ سے بہت ساری خطرناک بدعتوں کا ظہور ہوا۔ جن میں سے بعض کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

باطل فرقوں کے ولاء و براء کا معیار

گروہی تعصب چاہے وہ افکار کے لئے ہو یا اشخاص و شیوخ کے لئے ہو، اس کے خاتمہ کے لئے اسلام کی تعلیمات وارد ہوئی ہیں، چنانچہ اسلام میں کسی گروہ کے لئے تعصب جائز ہے اور نہ کسی قبیلہ و علاقہ کے لئے، بلکہ یہ جاہلیت کے کام ہیں۔ تو ان جماعتوں و گروہوں نے اپنی طرف انتساب کرنے کو ولاء و براء کا معیار قرار دیا ہے اور اس بناء پر جماعت و گروہ کی طرف انتساب کرنے والے کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے، گویا تعظیم و

توقیر کا معیار جماعت و گروہ کی طرف صرف نسبت ہے نہ کہ علم و تقویٰ۔

اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس جماعت کے منہج (جو یقیناً اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے) کے خلاف شخص کی، اگرچہ وہ حق پر ہو۔ تنقیص کی جاتی ہے اور اس کے بارے میں یہ بات اڑائی جاتی ہے کہ وہ کوتاہ نظر اور علم و تحقیق سے کورا ہے اور امت کی حقیقت حال اور ان پر منڈلاتے ہوئے خطرات سے واقف نہیں ہے، تاکہ نوجوان طبقہ اس سے نفرت کرنے لگے اور اس کے علم و تجربہ سے استفادہ نہ کر سکے۔ اگرچہ وہ ایسا عالم ہی کیوں نہ ہو کہ جس کی عمر ستر (۷۰) سال سے تجاوز کر گئی ہو۔

اور یہ حقیقت معلوم ہونی چاہئے کہ لوگوں کی قدر و قیمت کا شرعی ترازو علم اور تقویٰ ہے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ کسی گروہ کی طرف انتساب کا ہونا اور نہ ہونا نہیں۔

اور افکار و مناہج کا ترازو کتاب و سنت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ﴾[1]

(پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔)

نہ کہ کسی کی رائے یا قول یا منہج کی طرف۔

اور اس گروہ بندی کا نتیجہ، الگ الگ بٹ جانا آپس میں جھگڑا، دشمنی اور دعوتی میدان میں ناکامی اور برابر اختلاف کا جاری رہنا ہے۔

جہاں تک یہ دعویٰ ہے کہ تمام لوگ اسلام کے لئے کام کر رہے ہیں اور انجام کار

---

1) سورۃ النساء:۵۹

سب اکھٹے ہو جائیں گے ،تو یہ محض دعویٰ ہے۔ جسے ان جماعتوں کے درمیان قائم شدہ اختلافات رد کرتے ہیں، کیونکہ ان کے مناہج واہداف مختلف ہیں اور وہ ایک دوسرے سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔

اور میرا خیال ہے کہ یہ چیزیں ایسی ظاہر و باہر ہیں کہ ان کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس بات پر ،کیا ان سابقہ فرقوں کے مناہج کے درمیان جن کو مثال کے طور پر ہم نے ذکر کیا اور جنہیں شیخ الاسلام نے ذکر فرمایا ہے،یعنی معتزلہ کے منہج اور معاصر مناہج کے درمیان نام کے علاوہ کوئی حقیقی فرق پایا جاتا ہے ؟اور نام بدل جانے سے حقائق نہیں بدل جاتے، بے شک یہ اللہ کے رسول ﷺ کے قول کے مصداق ہے کہ :

''امت خواہشات نفس کی وجہ سے ان متعدد فرقوں میں بٹ جائے گی۔''

تو کیا نیکی و تقویٰ کی بنیاد اور اجتماعی طور پر اللہ کی رسی کو پکڑے رہنے پر کوئی تعاون ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۞ وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [1]

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہیئے اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان رہنا،اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لواور پھوٹ نہ ڈالو،اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔تو اس نے

---

1) سورۃ آل عمران: ۱۰۲۔۱۰۳

تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔)

نجات یافتہ جماعت

نیکی و تقویٰ اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنے پر تعاون کرنا فرقۂ ناجیہ کا منہج ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس جماعت کی پہچان کے سلسلے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''هم من كان على ما انا عليه وأصحابي''

(یہ وہ لوگ ہیں جو اس طریقہ پر عمل پیرا ہیں جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔)

اور بخاری میں ہے:

''لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين حتى ياتيهم أمر الله وهم ظاهرون''[1]

(میری امت کی ایک جماعت برابر غالب رہے گی یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا حکم آجائے، اور وہ غالب ہی ہو گی۔)

اور جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

''من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين ، وإنما أنا قاسم ويعطي الله، ولن يزال أمر هذه الامة مستقيما حتى تقوم الساعة أو حتى يأتي أمر الله''[2]

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور میں

---

1) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالسنة رقم الحديث ٧٣١١

2) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالسنة رقم الحديث ٧٣١٢

تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے اور اس امت کا معاملہ برابر مستقیم رہے گا، یہاں تک کہ قیامت ہو جائے یا اللہ کا حکم آجائے۔)

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طریقہ پر تھے؟ اور کیا یہ گروہ اب موجود ہے؟ اور اگر معاملہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اس کا منہج کیا ہے؟ اور وہ کہاں پایا جاتا ہے؟ اور کیا اس جماعت و گروہ کا کوئی امام ہے جو کتاب و سنت کے مطابق اس کی قیادت کرتا ہے؟ جیسا کہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے اور جس کو ہم بعد میں عنقریب بیان کریں گے، اس میں آیا ہے کہ اگر ان کی کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تب تم ان تمام جماعتوں سے الگ تھلگ ہو جاؤ اگرچہ تمہیں کو کسی درخت کی جڑ کے ساتھ چمٹ جانا پڑے، یہاں تک کہ تمہاری اسی حالت میں موت آجائے۔)

تو کیا وہ زمانہ آگیا ہے اور ہم اس حالت کو پہنچ چکے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص کسی درخت کی جڑ سے چمٹ جائے یہاں تک کہ موت آجائے۔

ہم ان شاء اللہ بعد کے بحث میں انہی سوالوں کے جواب میں نوکِ قلم کو جنبش دیں گے۔

فرقہ ناجیہ کا منہج وہی ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ تھے۔

جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، وہ یہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں جو کچھ آیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا کہ جس کے آگے سے باطل آسکتا ہے نہ

پیچھے سے اور اس کے رسول کی سنت پر پوری طرح عمل پیرا ہونا، جو کتاب اللہ کی تفسیر ہے اور قرآن کے بعد دوسری وحی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾ (١)

(یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے، آپ اسے کھول کھول کر بیان کریں۔)

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۞ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴾ (٢)

(اور نہ (یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔)

تو وہ لوگ جو اللہ کو الٰہ و معبود مان کر اس پر ایمان لائے کہ جس کے علاوہ کوئی دوسرا معبودِ برحق ہے اور نہ ہی اس کے سواء کوئی رب، چنانچہ انہوں نے اعتقادات نیز اقوال و افعال اور ظاہری و باطنی تمام عبادتوں کو صرف ایک اللہ کے لئے خاص کر دیا۔

اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان لائے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صحیح حدیث میں بیان فرمایا ہے، نہ اس میں تحریف کی نہ تاویل اور نہ اس کا انکار کیا، بلکہ ان صفتوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے اس فرمان کی بنیاد پر ثابت مانا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (٣)

---

1) النحل: ۴۴
2) سورۃ النجم: ۳،۴
3) سورۃ الشوریٰ: ۱۱

(اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سنتا دیکھتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ نازل فرمایا ہے، جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی سنت مطہرہ میں مشروع قرار دیا ہے، وہ لوگ اس کے مطابق فیصلہ کرتے رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيمًا ﴾[1]

(سو قسم ہے تیرے رب کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں، ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں، اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں)

اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قائم رہے۔ جیسا کہ اللہ نے اپنے نبی کو فرمایا:

﴿ قُلْ هَـذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَاْ وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّهِ وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾[2]

(آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے میں اور میرے فرمانبردار اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾[3]

(اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیں ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے، یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو بھی بخوبی

---

1) سورۃ النساء: ٦٥
2) سورۃ یوسف: ١٠٨
3) سورۃ النحل: ١٢٥

جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔)

چنانچہ صحابہ امر بالمعروف ونھی عن المنکر ان دو آیتوں کی بنیاد پر کرتے رہے یعنی سب سے پہلے علم حاصل کیا پھر حکمت کے ساتھ اس کی دعوت دیتے رہے اور اس منہج پر دعوت تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے ہر شخص کے لئے اس کی استطاعت وصلاحیت کے مطابق اور اپنے مخصوص دائرہ میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ مکلّف نہیں بنایا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے اسی سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے:

''من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالك اضعف الایمان''(۱)

(تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو اپنی زبان سے، اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو اپنے دل سے اسے ناپسند کرے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔)

چنانچہ منکر کو ہاتھ سے روکنے کی ذمہ داری حاکمِ وقت کی ہے، اور زبان سے روکنے کی ذمہ داری ہر مسلمان کی ہے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس منکر کو اپنے دل سے ناپسند کرے۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس دین کی نشرواشاعت کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لاتے رہے۔

اسی طرح دین کی تمام تعلیمات میں، معاملات میں اور اچھے اخلاق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منہج یہی رہا اور مؤمن آپس میں ایک دوسرے پر شفیق ہیں ایک جسم کی طرح کہ ان میں سے کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے سارے جسم میں

---

1) مسلم، الایمان ۱۲/٦۹(۸)

تکلیف و بخار آ جاتا ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق قرآن مجید تھا اور یہی حال ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا پس ولاء و براء کتاب و سنت کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا منہج ہے، اور اسی منہج پر فرقہ ناجیہ چلتے رہے۔ جب یہ امت ان فرقوں میں بٹ گئی جس کی طرف اللہ کے رسول ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ :

''وانہ من یعس منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا''

(اور تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔)

پھر اس اختلاف کے ظہور کے وقت آپ ﷺ نے امت کو حکم فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کی سنت اور آپ کے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کریں اور اس کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لیں۔ پھر ان کو بدعت و نئی باتوں کی ایجاد سے ڈرایا اور واضح فرمادیا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور جہاں تک اس فرقہ کے پائے جانے کی جگہ کا تعلق ہے اور کیا اس کا کوئی امام ہے جو اس کو کتاب و سنت پر چلاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس منہج پر چلنے والی جماعت و فرقہ کا وجود جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے پوری دنیا میں ہے اور اس کو کسی ایک شہر یا ملک کے ساتھ خاص نہیں کیا جا سکتا۔

اور سوال کا دوسرا جزء کہ کیا اس کا کوئی امام ہے جو اس کو کتاب و سنت پر چلاتا ہے؟ تو ہم حدیث حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہیں جس کا اشارہ ہم پہلے کر چکے ہیں، اس کو بیان کرنے کے بعد ہم اس کا جواب خود بخود پا جائیں گے۔

حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ،وہ کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر (بھلی باتوں) کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شر (بری باتوں) کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں برائی میں نہ پڑ جاؤں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم جاہلیت اور برائی میں تھے، پھر اللہ نے ہم کو یہ بھلائی (یعنی اسلام) دی۔ اب اس کے بعد بھی کوئی برائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ کیا اس شر کے بعد کوئی خیر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ لیکن اس میں دخن ہے۔ میں نے کہا: وہ دخن (دھبہ) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایسے لوگ ہوں گے جو میری ہدایت کے بغیر لوگوں کی رہنمائی کریں گے۔ ان میں اچھی باتیں بھی ہوں گی اور بری بھی، میں نے عرض کیا: پھر اس خیر کے بعد برائی ہو گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو جہنم کے دروازے کی طرف لوگوں کو بلائیں گے۔ جو ان کی بات مانے گا اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ہم ہی میں سے ہوں گے ،اور وہ ہماری ہی زبان بولیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر اس زمانے کو میں پالوں تو کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہ۔ میں نے دریافت کیا کہ اگر جماعت اور امام نہ ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو تمام فرقوں سے الگ تھلگ رہ، اگرچہ کسی درخت کی جڑ کو دانت سے پکڑے ہی رہنا پڑے۔ یہاں تک کہ تم کو اسی حال میں موت آجائے۔ [1]

---

1)البخاری ، کتاب المناقب علامة النبوة ، کتاب الفتن /باب کیف الأمر إذا لم تکن جماعة۔ صحیح مسلم ، الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن ،وفی کل حال ،وتحریم الخروج

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

''ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو جہنم کے دروازے کی طرف لوگوں کو بلائیں گے، جو ان کی بات مانے گا اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔''

فرماتے ہیں کہ :

''علماء کہتے ہیں یہ لوگ وہ امراء و حکام تھے جو بدعت اور گمراہی کی طرف بلاتے تھے۔ جیسے خوارج، قرامطہ اور اصحابِ محنہ یعنی جنہوں نے خلق قرآن کے مسئلہ میں پوری امت کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور اس حدیث میں مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہنے اور اس کی اطاعت لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ فاسق و گنہگار ہو۔''[۱]

سلف اور ان کے متبعین حزبی نہیں تھے

ناجی فرقہ جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے کیا اور جس کا وصف بھی بیان فرمایا ہے کہ اس طریقہ پر قائم رہے گا جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قائم تھے، وہی لوگ سلف صالحین ہیں۔ پھر اس منہج پر چلنے والے تمام لوگ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾[۲]

(اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے

من الطاعة ومفارقة الجماعة

1) النووی، شرح مسلم ۱۲/۲۳۷

2) سورة التوبة: ۱۰۰

پیرو ہیں۔اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے۔اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔)

اور یہ جماعت اس منہج کے ساتھ پوری دنیامیں ہر جگہ اور ہر زمانہ میں موجود رہی ہے اور اس کو کسی ایک شہر اور جگہ کے ساتھ قید (حصر) نہیں کیا جاسکتا۔اور وہ راہِ حق وہدایت پر چلنے والی مسلمانوں کی جماعت ہے۔ کبھی ان کا امام ہوتا ہے جو کتاب وسنت کے مطابق ان کی رہنمائی کرتا ہے اور کبھی بعض حالات میں اور فتنے رونما ہوتے وقت ان کا امام نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ میں ہے، لیکن الحمد للہ یہ جماعت اپنے اسی منہج کے ساتھ موجود ہے اور ان کا امام بھی، جو ان کی اس ملک میں کتاب وسنت کے ذریعہ رہنمائی کر رہا ہے۔ جس کو ہم عنقریب امام اسماعیل بن محمد اصبہانی (جو قوام السنہ کے لقب سے جانے جاتے تھے) کی بات نقل کرنے کے بعد ذکر کریں گے۔تاکہ ہمارے لئے یہ بات واضح ہو جائے کہ مسلمانوں کی وہ جماعت جو اس طریقہ پر چلنے والی ہے، جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، وہ سلف صالحین اور ان کے متبعین ہیں۔وہی اہل منہج ہیں اور وہ حزبی نہیں ہیں، جیسا کہ ہم بعض ایسے لوگوں سے سنتے ہیں جو ان کے منہج وطریقے کو نہیں دیکھتے۔

اور اگر کوئی ایسا شخص جو سلف کے منہج کی طرف اپنا انتساب کرتا ہو، پھر اس نے کسی خطا کا ارتکاب کر لیا ہو، کیوں کہ وہ معصوم نہیں ہوتے، تو یہ ان کی ذاتی غلطی شمار کی جائے گی نہ کہ منہج کی۔اور لوگوں کو نیز خاص کر نوجوانوں کو حق سے متنفر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ان کو سلفی جماعت ومنہج سے متنفر کرنا امتِ اسلامیہ پر ایک ظلمِ عظیم ہوگا۔اس لئے کہ ایسا کرنے سے موجودہ لوگوں کا رشتہ اپنے ماضی سے منقطع ہو جائے گا اور یہ ایک ایسی

دعوت ہے جسے دشمنانِ اسلام پھیلا رہے ہیں۔اور اسے وہی شخص قبول کرتا ہے جو اس کی عاقبت کے بارے میں نہیں سوچتا اور اس کے انجام و نتیجہ کی فکر نہیں کرتا۔

اور شرح طحاویہ کے چند صفحات پر میں نے سرسری نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بیس سے زیادہ مرتبہ کلمہ سلف کو دہرایا گیا ہے، جو ان کے اس نسبت پر فخر کرنے پر دال ہے۔چونکہ سلف کے منہج کی خصوصیات حق پر ثابت قدم و مستمر رہنا اور تردد و تذبذب کا شکار نہ ہونا اور امور عقیدہ میں ان کا اتفاق کرنا، اور زمان و مکان کے اختلاف کے باوجود اس میں ان کا اختلاف نہ ہونا ہے، ان گروہوں کے برخلاف جنہوں نے اپنا منہج اپنی عقلوں سے تیار کیا ہے۔

قوام السنہ حضرت امام اصبہانی فرماتے ہیں کہ :

"اہلِ حدیث کے اہلِ حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر تم ان کی نئی و پرانی تصنیف شدہ کتابوں کو شروع سے آخر تک پڑھو تو ان کے زمانہ اور شہروں و ملکوں کے اختلاف کے باوجود ان کو اعتقاد کے بیان میں بالکل یکساں پاؤ گے۔وہ ایک ہی طریقہ پر چلتے ہیں نہ اس سے الگ ہوتے ہیں اور نہ ہی مائل ہوتے ہیں اور ان کا اس سلسلہ میں ایک ہی قول ہے ،اور ان سے ایک ہی چیز منقول ہے۔نہ تم ان کے درمیان اختلاف دیکھو گے اور نہ ہی کسی چیز میں تفریق پاؤ گے۔اگرچہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔"

اور ان کے (امام اصبہانی) قول کی سچائی پر ان ائمہِ کرام امام احمد بن حنبل ،امام بخاری و مسلم، امام ترمذی و ابن ماجہ، امام ابن خزیمہ و ابن قتیبہ ،امام ابن مندہ واللالکائی وغیرہ کی کتابیں شاہد عدل ہیں۔ان کے زمانہ و ملک و علاقہ کے اختلاف کے باوجود تم ان کی باتیں ایک جیسی ہی پاؤ گے۔

عصرِ حاضر میں فرقۂ ناجیہ اور اس کے امام کا وجود

جہاں تک اس جماعت کی اپنے منہج اور اپنے امام کے ساتھ موجودگی کا تعلق ہے تو الحمدللہ وہ اس ملک (سعودی عرب) میں موجود ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ:

''إن الایمان لیأرز إلی المدینة کما تأرز الحیة إلی جحرھا''

(ایمان مدینہ میں سمٹ کر آجائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں داخل ہوتا ہے۔)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ:

''وھو یأرز بین المسجدین کما تأرز الحیة إلی جحرھا''[1]

(وہ دو مسجدوں (مسجد الحرام اور مسجد نبوی) کے درمیان سمٹ کر آجائے گا جیسا کہ سانپ اپنے بل میں داخل ہوتا ہے۔)

تو میں بھولنے والوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں اور غافل کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ:

۱۔ اس ملک میں یہ منہج بدعت و خرافات و تاویل سے بالاتر توحید کی بنیاد پر قائم ہے اور علوم شرعیہ کی اپنے تمام فروع کے ساتھ تعلیم پر قائم ہے جو ابتدائی مراحل کے منہج سے لے کر دراسات علیا کے تخصص تک دی جاتی ہے۔ مثلاً قسم العقیدہ اور قسم السنة والتفسیر اور قسیم الفقه والاصول وغیرہ۔ اسی طرح وہ تمام عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں جن کا معاشرہ ضرورت مند ہے اور جو اسلامی شریعت سے متصادم نہیں ہیں۔

بلکہ جامعہ اسلامیہ مدینہ نبویہ جس کی بنیاد فرزندانِ عالمِ اسلام کے لئے ڈالی گئی ہے اور جس میں سو(۱۰۰) سے زیادہ ممالک کے طلباء زیر تعلیم ہیں اس میں تخصص کے بہت سارے کلیات ہیں، مثلاً: کلیة القرآن وعلومه، کلیة الحدیث وعلومه، کلیة اصول الدین ،کلیة الشریعة، کلیة اللغة وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی دوسری جامعات وانسٹی ٹیوٹ ہیں۔

---

1) البخاری، فضائل المدینه، فتح الباری ۴/۹۵ ح۸۷۶ او مسلم، الایمان ۱/۱۳۰ ح۲۳۳، ۲۳۲

اور پھر ان تمام مراحل میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام علیحدہ (غیر مخلوط) ہے۔

۲۔ دارالافتاء والدعوۃ والارشاد۔

۳۔ ھیئۃ الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر۔

۴۔ شرعی محکمہ (عدالت)

جس میں قاضی کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، اور جرم کرنے والوں پر شرعی حدود کا نفاذ کرتے ہیں۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا، قاتل سے قصاص لینا، زنا کرنے والے اور شراب پینے والے کو درے لگانا۔ اور یہ تمام چیزیں شرعی ضوابط کے ضمن میں ہوتی ہیں۔

تو اس ملک میں مسلمانوں کی جماعتوں نے اس منہج کو قائم رکھا ہے اور ان کا ایک امام ہے جو اس منہج کو تطبیق دیتا ہے۔ اور اس کا نفاذ کرتا ہے۔

اور ہم لوگ گاہے بگاہے جرم کا ارتکاب کرنے والوں پر حدود کی تنفیذ کی خبریں سنتے رہتے ہیں۔

اور اس منہج کو قائم کرنے والی جماعت اور اس کے امام پہلے بھی پائے جاتے تھے۔ پھر شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے امام محمد بن سعود رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر ۱۱۵۸ھ میں اس منہج کو قائم کیا۔ اور یہ منہج اس وقت سے لے کر عصرِ حاضر تک چلا آرہا ہے۔ اور اسی تاریخ سے یہ ملک شرک و بدعت اور تاویل کی آلائشوں سے پاک و صاف خالص عقیدۂ توحید اور اسلامی شریعت کی اپنے تمام احکام میں تطبیق پر نیز سلف صالح کے نصوصِ شرعیہ کے فہم کے مطابق قائم و دائم ہے۔ اور ہم اس کے اسی طرح ثابت و مستمر رہنے کے لئے اللہ سے دعا گو ہیں، تاکہ اس ملک اور اس کے باشندوں کے لئے وہ پیشین گوئی ثابت ہو سکے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کہ ایمان مدینہ میں سمٹ کر آجائے گا۔"

اور دوسری روایت میں ہے کہ :

''ایمان دو مسجدوں کے درمیان سمٹ کر آجائے گا، جس طرح سانپ اپنے بل میں داخل ہوتا ہے۔''

جہاں تک گناہ و خطا کے پائے جانے کی بات ہے، تو یہ عہدِ نبوت و عہدِ خلفائے راشدین سے لے کر[1] آج تک تمام انسانوں کی فطرت ہے کہ انسان گناہ و خطا کا رتکاب کرتے چلے آرہے ہیں ،اور یہی حال ان کے بعد اسلامی ممالک اور حکومتوں کا بھی ہے اور گناہوں کا پایا جانا یہ عیب نہیں ،بلکہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں پر اگر اقامتِ حد واجب ہو تو ان پر حدود کا نفاذ نہ کرنا عیب ہے۔

امراء وحکام کو نصیحت کرنے کے آداب واحکام

جہاں تک امام ولی کی خیر خواہی کی بات ہے تو یہ علماءِ امت کا فریضہ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے :

''الدین النصیحة ثلاثا، قلنا لمن یا رسول الله، قال: لله، ولکتابه ولرسوله ولأئمة المسلمین وعامتهم ''[2]

(دین خیر خواہی کا نام ہے۔آپ ﷺ نے تین بار فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کس کے لئے یا رسول اللہ ﷺ ؟ فرمایا: اللہ کے لئے ،اس کی کتاب کے لئے ،اس کے رسول کے لئے ،ائمہِ مسلمین کے لئے اور عام لوگوں کے لئے۔)

اور جہاں تک ان کو نصیحت کرنے کی کیفیت کی بات ہے ،تو علامہ عبدالرحمن سعدی نے اپنی کتاب ''وجوب نصیحت اور اس کے فوائد'' فصل ۸ میں ''الدین النصیحة'' والی حدیث کی شرح کرتے ہوئے بیان فرمائی ہے کہ :

---

1) بلکہ یہ سلسلہ تو عہد آفرینش سے شروع ہے۔(ناشر)
2) مسلم: الایمان ۷۴/۱۰(۹۵)

(جہاں تک ائمہِ مسلمین کی نصیحت کی بات ہے جن میں سلطانِ اعظم سے لے کر امیر، قاضی اور تمام لوگ داخل ہیں جن کو کوئی چھوٹا یا بڑا عہدہ حاصل ہے، تو جس طرح ان کے کام و واجبات دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اہم و اعظم ہیں، اسی طرح ان کے لئے نصیحت بھی ان کے مرتبہ و مقام کے مطابق ہی واجب ہے، اور یہ ان کی امامت کے اعتقاد اور ان کی ولایت کے اعتراف اور نیک کاموں میں وجوبی طور پر ان کی اطاعت کرتے ہوئے کرنا ہے، اور ان کی اطاعت سے نہ نکلتے ہوئے اور رعایا کو ان کی اطاعت پر ابھارتے ہوئے، اور ان کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے، جو اللہ اور اس کے امر کے مخالف نہیں ہے۔ انسان جو نصیحت ان کو کر سکتا ہو، وہ کرنا چاہیئے۔ اور ان کی رعایا جن چیزوں کی ضرورت مند ہو اور چیز ان پر مخفی ہو تو اس کو واضح کرنا چاہئے۔ ہر شخص اپنے طور پر ایسا کرے اور ان کی صلاح و توفیق کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ ان کی صلاح ان کی رعایا کی صلاح ہے۔)[1]

علامہ موصوف نے مزید فرمایا:

(سب و شتم کرنے، ان کی برائی نکالنے اور اس کی اشاعت سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں برائی، نقصان اور بہت بڑا فساد ہے، اور ان کی نصیحت میں سے یہ بھی ہے کہ ان چیزوں سے ڈرایا جائے اور اس سے بچا جائے۔)

علامہ نے مزید فرمایا:

(اور جو شخص ان میں کوئی ناجائز شئ دیکھے، تو چاہئے کہ ان کو نرمی کے ساتھ اور ایسی عبارت و اسلوب کے ساتھ متنبہ کرے جو ان کے مقام و مرتبہ کے لائق ہو، اور جس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہو، اور یہی چیز ہر شخص کے حق میں اور خاص کر ولاۃ امور کے حق میں مطلوب ہے اور ان کی اس اسلوب سے تنبیہ پر بہت زیادہ خیر و بھلائی ہے، اور یہ

1) الرياض الناضرة والحدائق النيرة الزاهرة- فصل:۸ ص:۲۹

اخلاص وسچائی کی علامت ہے۔)

نیز موصوف نے فرمایا:

(اے اچھے اسلوب سے نصیحت کرنے والے! لوگوں کے سامنے اپنی مدح سرائی کر کے اپنی اس نصیحت کو برباد کرنے سے بچو۔ چنانچہ لوگوں سے یہ کہتے نہ پھرو کہ میں نے ان کو نصیحت کی ہے، اور ایسا ایسا کہا ہے، کیونکہ یہ ریاکاری کا عنوان ہے اور اخلاص کی کمی کی علامت ہے اور اس کے علاوہ اس میں دوسرے معروف نقصان بھی ہیں۔)[1]

یہ وہ باتیں جنہیں شیخ عبدالرحمن سعدی نے ولاۃ امور (بادشاہ اور ان کے وزراء و ذمہ داروں) کی نصیحت کے سلسلے میں کہی ہیں اور تحریر فرمایا ہے کہ انہیں نصیحت سری طور پر کرنا چاہئے نہ کہ اعلانیہ طور پر، پھر نرمی کے ساتھ ایسی عبارت و اسلوب میں کرنا چاہئے جو ان کے مقام و مرتبہ کے لائق ہو۔ اسی طرح اس اچھے اسلوب سے نصیحت کرنے والے کو اس بات سے ڈرایا بھی ہے کہ اگر ان کی اس نصیحت کا مقصد صدوق اخلاص ہے تو لوگوں کے سامنے اپنی مدح سرائی کر کے اسے برباد نہ کریں۔ چنانچہ وہ یہ کہتے نہ پھرے: "میں نے ان کو نصیحت کی ہے اور ایسا ایسا کہا ہے۔" چونکہ یہ ریاکاری ہے اور اخلاص میں کمی کی علامت ہے جیسا کہ شیخ سعدی نے فرمایا۔

اور علماءِ معاصرین میں سے شیخ سعدی کے کلام کے ذکر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماءِ سابقین کے کلام کی مثال بھی ذکر کر دی جائے۔

امام ابن ابی عاصم "کتاب السنہ"، "ولاۃ کو رعایا کس طرح نصیحت کرے" کے باب میں اپنی سند کے ساتھ شریح بن عبید سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "عیاض بن غنم نے ہشام بن حکیم سے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں سنا کہ " جو شخص بادشاہ

---

1) الرياض الناضرة والحدائق النيرة الزاهرة باب ولاة الامور

کو نصیحت کرنا چاہتا ہو تو اعلانیہ نہ کرے بلکہ ان کا ہاتھ پکڑ لے اور ان سے تنہائی میں بات کرے۔"[1] اب اگر بادشاہ ان کی نصیحت قبول کر لے تو اچھی بات ہے ورنہ جو اس کی ذمہ داری تھی، وہ اس نے ادا کر دی۔ شیخ البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

اہلِ سنت والجماعت ناجی فرقہ کے علماء کا اپنے ولاۃ امور کی نصیحت کے سلسلے میں یہی اسلوب ہے، اس لئے کہ وہ اپنی امت اور عوام و ملک کی بھلائی چاہتے ہیں اور ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس وقت منہجِ سلف صالح کی اتباع کرنے والے ہمارے علماء اپنے ولاۃ امور کے سلسلے میں وہی اسلوب اپناتے ہیں جسے علامہ شیخ عبدالرحمن سعدی نے ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح اعلانیہ نصیحت نہیں کرتے ہیں کہ ہم سبھی اسے سنیں۔ کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ یہ اسلوب صحیح اور نفع بخش نہیں ہے اور نہ ہی وہ اہلِ سنت والجماعت کا منہج ہے۔

پھر وہ ان پیش کردہ نصیحتوں کو لوگوں کے سامنے اپنی مدح سرائی کر کے اور یہ کہہ کے کہ ہم نے ایسا ایسا کہا، برباد نہیں کرتے ہیں، کیوں کہ اس میں ریاکاری ہے اور یہ اخلاص سے خالی ہے جیسا کہ شیخ سعدی نے فرمایا اور ساتھ ساتھ اس میں بہت زیادہ نقصانات بھی ہیں.

جہاں تک ولاۃ و امراء کی عینی و قائع کی بات ہے تو اس میں صحیح بات یہ ہے کہ امیر کو سنت کی مخالفت کے ظہور کے وقت علماء و امراء کے درمیان الفت پائے جانے کی صورت میں مباشرۃ نصیحت کی جا سکتی ہے اور نصیحت کا مقصد اصلاح ہونا چاہئے نہ کہ شہرت جیسا کہ مدینہ کے امیر مروان کے واقعہ میں ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی

---

1) کتاب السنہ ۲:۵۲۱ رقم الحدیث ۱۰۹۶

ﷺ عید الفطر و عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے تھے اور سب سے پہلے نماز ادا کرتے تھے۔۔۔"[1] راوی کہتے ہیں کہ لوگ برابر اس پر عمل کرتے رہے۔ یہاں تک میں امیرِ مدینہ مروان کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں نکلا اور جب ہم عید گاہ میں پہنچے تو جو منبر کثیر بن صلت نے بنایا تھا، مروان نے نماز پڑھانے سے پہلے ہی اس پر چڑھنا چاہا تو میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا تو اس نے مجھے کھینچا۔ اس کے بعد منبر پر کھڑا ہو گیا اور نماز سے پہلے خطبہ دیا تو میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم! آپ نے نبی ﷺ کے طریقہ کو بدل ڈالا تو اس نے عرض کیا: ابو سعید! جو تم جانتے تھے وہ باقی نہیں رہا تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا ہوں تو انہوں نے عرض کیا کہ لوگ نماز کے بعد خطبہ سننے کے لئے نہیں بیٹھتے ہیں اس لئے میں نے اسے نماز سے قبل کر دیا۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبدالرزاق کی روایت میں داؤد بن قیس سے مروی ہے کہ مروان میرے اور ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری کے درمیان بیٹھا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ: یہ واقعہ علماء وولاۃ امور کے درمیان مضبوط تعلق پر دلالت کرتا ہے۔

اور حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کے فوائد شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کا امراء کے انکار کا ثبوت ہے، جب کہ وہ خلافِ سنت کام کر رہے ہوں اور اس میں عالم کے لئے خلافِ اولیٰ چیز پر عمل کا جواز ہے، جب کہ حاکم اولیٰ کام پر اس کی موافقت نہیں کرتا ہو۔ اس لئے کہ ابو سعید خطبہ میں حاضر رہے اور واپس نہیں پلٹے اور اس سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ عید گاہ میں جا کر سب سے پہلے نماز ادا کرنا اس کی صحت کے لئے شرط نہیں۔ واللہ اعلم۔

---

1) صحیح بخاری کتاب العیدین رقم الحدیث (٩٥٦)

پھر ابن المنیر کا قول نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کو اس میں تعین پر محمول کیا اور مروان نے اسے اولویت پر محمول کیا اور لوگوں کا حال بدل جانے کی وجہ سے ترکِ اولیٰ سے اعتذار کیا۔ چنانچہ انہوں نے اصل سنت یعنی سماعِ خطبہ کی محافظت کو ہئیت کی محافظت پر جو کہ اس کے لئے شرط نہیں ہے۔ اولیٰ سمجھا۔ واللہ اعلم

اور اسی کے مثل وہ واقعات بھی ہیں جو سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں تو اس میں سے جو صحیح ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سنت کی مخالفت کے ظہور کے وقت امیر یا ولی کو بالمشافہ نصیحت کی جا سکتی ہے لیکن اس میں شہرت یا قدح یا ان کی برائی کی اشاعت مقصود نہ ہو کیوں کہ اس میں نقصان و برائی اور بہت بڑا فساد ہے جیسا کہ شیخ عبد الرحمن سعدی نے فرمایا ہے اس لئے کہ یہاں مقصد اصلاح ہے اور اس اسلوب کے ساتھ اصلاح حاصل ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

کلمة المترجم.. ۳

مقدمہ... ۵

مقدمہ از مؤلف.. ۱۱

بدعت کی تعریف ۲۴

بدعت کی اصطلاحی تعریف................................. ۲۴

بدعت کی قسمیں ۲۶

۱)بدعتِ حقیقی: ۲۷

۲)بدعتِ اضافی: ۲۸

اہل بدعت کی صحبت اختیار کرنے کی ممانعت ۳۱

مبتدع کی توبہ.. ۳۴

مبتدع کا حکم... ۴۰

بدعتِ مکفرہ... ۴۳

بدعت غیر مکفرہ... ۴۳

مخطئ کا حکم... ۴۴

بدعت کی دوسری قسم کی تقسیم................................ ۴۵

عملی بدعت.. ۴۵

اعتقادی بدعت ۴۶

قولی بدعت ۴۶

چند بدعتی فرقے اور ان کے اصول..........................۴۹

روافض(شیعہ) اور ان کے بعض اصول ۵۰

خوارج اور ان کے بعض اصول.............................. ۵۱

جہمیہ اور ان کے اصول ۵۳

معتزلہ اور ان کے اصول ۵۳

دیگر فرقوں کے اصول اور اہلسنت والجماعت ۵۳

کے ساتھ ان کا رویہ.................................. ۵۳

معاصر جماعتوں کے مناہج................................ ۵۶

باطل فرقوں کے ولاء و براء کا معیار ۵۷

نجات یافتہ جماعت ۶۰

فرقہ ناجیہ کا منہج وہی ہے جس پر اللہ کے.................... ۶۱

رسول ﷺ اور ان کے صحابہ تھے۔.......................... ۶۱

حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ.......................... ۶۵

سلف اور ان کے متبعین حزبی نہیں تھے......................... ۶۷

عصرِ حاضر میں فرقۂ ناجیہ اور اس کے امام کا وجود................۶۹

امراء و حکام کو نصیحت کرنے کے آداب و احکام................. ۷۲